

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ (حصہ دوم)

ڈاکٹر اسرار احمد

تیسرا گروپ
یُونُس ... تا ... النُّور
(مسلسل)

(4) سُورۃُ مَریَم، سُورۃُ طٰہٰ، سُورۃُ الانبیَاء

سُورۃُ مَریَم

قرآن حکیم کی مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل گروپنگ کے اعتبار سے ہم تیسرے گروپ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس گروپ میں سورۂ یونس سے سورۃ المؤمنون تک چودہ مکی سورتیں‘ جبکہ صرف ایک سورۃ النور مدنی سورت ہے۔ اس گروپ میں تین تین سورتوں پر مشتمل ذیلی گروپ تشکیل پا گئے ہیں‘جن میں سے تین کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ چوتھا ذیلی گروپ سورۂ مریم‘ سورۂ طٰہٰ‘ سورۃ الانبیاء پر مشتمل ہے۔

سورۂ مریم چھ رکوع اور ۹۸ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں بعض انبیائِ کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء و رسل کا تذکرہ دو انداز سے ہوتا ہے۔ ایک قِصص الانبیاء یا قِصص النبیّن یعنی انبیاء کے ذاتی کردار اور اُن کی سیرت و عظمت کا بیان‘ جبکہ دوسرا انداز انباء الرسل یا نبأ المرسلین کا ہے۔ یعنی رسولوں کی خبریں۔ یہ وہ انداز ہے جو حضرات نوح‘ ہود‘ صالح‘ لوط‘ شعیب اور موسیٰ علیہم السلام کے ذکر میں پایا جاتا ہے۔ یعنی رسولوں کی دعوت کے جواب میں قوموں کا انکار اور اُس کے نتیجہ اور پاداش میں عذابِ الٰہی کا نزول۔ اس اعتبار سے سورۂ مریم کے بعد آنے والی سورۂ طٰہٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے‘ جبکہ

سورۃ الانبیاء اور سورۂ مریم کا اصل موضوع قِصص النبیینؑ ہے۔ سورۂ مریم میں زیادہ تفصیلی ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اس سے پہلے سورۂ

7

آل عمران میں بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا' لیکن عقیدۂ الوہیت ِ مسیح کی نفی کے لیے آپؑ سے پہلے حضرات زکریا و یحییٰ علیہما السلام اور حضرت مریم سلامٌ علیہا کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہ اس پہلو سے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ ولادت الوہیت مسیح کی دلیل بن سکتی ہے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت بھی تو معجزانہ تھی۔ ان کے والدین انتہائی بڑھاپے کو پہنچے ہوئے تھے اور والدہ تو ساری عمر کی بانجھ تھی۔ اس بڑھاپے کے عالم میں ان کے ہاں جو ولادت ہوئی وہ عام طبعی قانون کے مطابق نہیں تھی بلکہ معجزانہ تھی۔

سورۂ مریم کے پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی رحمت کا ذکر ہے کہ جبکہ ان کی ہڈیاں کمزور اور سر سفید ہو چکا تھا اور بیوی بانجھ تھی' انہوں نے کس طرح اپنے ربّ کو آہستگی اور خاموشی کے ساتھ پکارا اور استدعا کی کہ ان کے بعد کارِ رسالت کو جاری رکھنے کے لیے ان کو ایک ولی عنایت فرما دیا جائے جو اُن کا اور آلِ یعقوب کا روحانی وارث ہو۔ چنانچہ اس دعا کے جواب میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ ان سے کہا گیا: {یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ}(آیت ۱۲)''اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھامو!''اس میں ہمارے لیے بھی تمسّک بالقرآن کا حکم پنہاں ہے' یعنی قرآن کو مضبوطی سے تھامو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی حکمت و دانائی عطا فرمائی گی۔ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے پنگھوڑے میں معجزانہ طریقہ سے گفتگو فرمائی اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ان کے بچپن ہی سے رشد و حکمت کے آثار ظاہر ہوئے۔

دوسرے رکوع میں حضرت مریم سلامٌ علیہا کے معجزانہ طور پر حاملہ ہونے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا ہے۔ اس ضمن میں وہ گفتگو خصوصی توجہ کی مستحق ہے جو انہوں نے پنگھوڑے میں فرمائی' جس میں اپنی والدہ کی عفت کی گواہی دی اور فرمایا:

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اُس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں بھی میں رہوں' اور اُس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار اور حسن ِ سلوک کرنے والا بنایا ہے اور جبار و شقی نہیں بنایا۔ اور سلام

8

ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہوں''۔ (آیات ۳۰۔ ۳۳)

آپؑ کی یہ ساری گفتگو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

{ذٰلِکَ عِیسَی ابنُ مَریَمَ ۚ...}

''یہ ہے عیسیٰ ابن مریم (کی اصل حقیقت)۔ یہ ہے وہ حق بات جس میں لوگ جھگڑتے ہیں (اور شک و شبہ میں بتلا ہیں)۔ یہ اللہ کی شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے' اس سے وہ پاک ہے۔ وہ تو جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے''۔ (آیات ۳۴۔۳۵)

یہی وہ آیات تھیں جو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں پڑھی تھیں' جبکہ عمرو بن العاص کی سربراہی میں قریش مکہ کی سفارت وہاں مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کے لیے گئی تھی (عمرو بن العاص بعد میں ایمان لے آئے تھے' صحابی ہیں رضی اللہ عنہ)۔ شاہِ نجاشی نے یہ آیات سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا تھا کہ جو حقیقت ان آیات میں بیان ہوئی ہے' مسیحؑ اُس سے ایک تنکا بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مہاجرین کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہسے کہا کہ جب تک چاہو یہاں امن و سکون کے ساتھ رہو۔

تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم کا ذکر اگرچہ بار بار آ رہا ہے۔ سورۃ الانعام' سورۂ ہود اور سورۂ یونس کے علاوہ سورۂ ابراہیم میں بھی آپؑ کا ذکر آیا ہے' لیکن یہاں پر ایک خاص پہلو سے ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے توحید کی دعوت جب اپنے والد کو پیش کی تو کس انداز میں کی۔ یہ بات ہر خادمِ دین کے لیے بہت اہم ہے کہ اپنے سے بڑوں کو دعوت پیش کرتے ہوئے کیا انداز ہونا چاہیے۔ انہوںنے اپنے والد سے فرمایا کہ:

''ابا جان! آپ ان کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ کچھ سنتے ہیں' نہ دیکھتے ہیں اور نہ وہ آپ سے کسی مصیبت کو ہٹا سکتے ہیں۔ ابا جان! میرے پاس وہ علم آ چکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا' لہٰذا آپ میرا اتباع کیجیے' میں آپ کی صحیح اور سیدھے

راستہ کی طرف راہنمائی کروں گا۔ ابا جان! شیطان کی بندگی مت کیجیے' یقینا شیطان تو رحمن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ عذابِ خداوندی آپ کو اپنے گھیرے میں نہ لے لے' پھر آپ شیطان کے ساتھیوں میں سے ہو جائیں''۔ اس پر والد نے ڈانٹ کر کہا: ''اے ابراہیم کیا تم میرے معبودوں کو چھوڑ رہے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا' دور ہو جاؤ میری نظروں سے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں کہا: ''آپ پر سلامتی ہو' میں تو آپ کے لیے اپنے ربّ سے استغفار ہی کروں گا' وہ یقینا مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں قطع تعلق کرتا ہوں آپ سے بھی اور اُن تمام چیزوں سے بھی جن کو آپ پوج رہے ہیں' اور میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا' مجھے اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہیں رہوں گا''۔ (آیات ۴۲۔۴۸)

اس کے بعد حضرات اسحٰق' یعقوب' موسیٰ' ہارون' اسماعیل اور ادریس علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے انبیاء کرامؑ میں سے آدم کی اولادمیں' اور ان میں جن کو سوار کرایا ہم نے نوحؑ کے ساتھ' اور ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کی اولادمیں' اور ان میں جن کو ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا۔ (ان لوگوں کی شان یہ رہی ہے کہ) جب بھی اُن کے سامنے رحمن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ فوراً سجدے میں گر جاتے ہیں اور روتے ہیں۔ (آیت سجدہ) البتہ اُن کے بعد اُن کی آئندہ نسلوں میں ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوات کے پیچھے پڑ گئے' سو وہ عنقریب جہنم میں پڑ کر رہیںگے۔'' (آیات ۵۸۔۵۹)

ایک بات کا ذکر اس میں رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے آیا ہے۔ جب آپؐ نے جبرائیلؑ سے شکوہ کیا کہ آپ دیر دیر سے آتے ہیں' ذرا جلدی جلدی آیا کریں تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو سکھلا دیا کہ جواب میں یوں کہیں:

{وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّکَ ۚ لَہٗ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَیۡنَ ذٰلِکَ ۚ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ﴿۶۴﴾}

''ہم تو آپؐکے ربّ کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے بیچ میں ہے۔ اور آپ کا ربّ بھولنے والا نہیں ہے۔''

آخری رکوع میں اس عقیدے کا ذکر ہوا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی غضب ظاہر ہوا ہے اور جس کا ذکر سورۂ کہف میں بھی آیا ہے' یعنی اللہ کے لیے اولاد تجویز کر لینا۔ اس پر اللہ کا جو غضب بھڑکا ہے اس کا اظہار پورے قرآن میں سب سے زیادہ سخت انداز میں اس مقام پر ہوا ہے۔ ارشاد ہوا کہ:

{لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَیۡئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ ...}

''تم اتنی عظیم گستاخانہ بات کر رہے ہو' جس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑنے اور زمین شق ہونے کو ہے اور پہاڑ دھماکہ کے ساتھ گر جانے کو ہیں' کہ انہوں نے رحمن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ رحمن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کے حضور بندے کی حیثیت میں پیش ہوں گے۔'' (آیات ۸۹۔۹۳)

آخری سے پہلی آیت خاص طور پر اس اعتبار سے اہم ہے کہ وہ مضمون اس میں اور زیادہ کھل کر آیا ہے جو اس سے قبل سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں آ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تبشیر بھی اسی قرآن کے ذریعے سے کرنی ہے اور انذار بھی۔ فرمایا:

{فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَتُنۡذِرَ بِہٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾}

''(اے محمد ﷺ!) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ اہل تقویٰ کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ سے جھگڑالو قوم کو خبردار کر دیں۔''

سُورۃ طٰہٰ

سورۂ طٰہٰ کے آٹھ رکوع اور ۱۳۵ آیات ہیں اور یہ تقریباً پوری کی پوری حضرت موسٰی علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ یوسف اور سورۂ طٰہٰ دو سورتیں ایسی

ہیں کہ جو تقریباً پوری کسی ایک نبی یا رسول کے حالات پر مشتمل ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں بنی اسرائیل کے آباد ہونے کا ذریعہ بنے تھے ‘جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے وہاں سے غلامی سے نجات پا کر واپس ارضِ فلسطین تک آنے کا ذریعہ بنے۔ یعنی بنی اسرائیل کی تاریخ کا مصر میں قیام پر مشتمل جو دور ہے‘ اس کا نقطۂ آغاز حضرت یوسف ؑ اور نقطۂ اختتام حضرت موسٰی ؑ ہیں۔

سورۂ طٰہٰ کا آغاز ہی لفظ ’’طٰہٰ‘‘ سے ہوا ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ طٰہٰ بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نام ہے اور یٰسٓ بھی۔ جس انداز میں یہ حروفِ مقطعات آئے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ آنحضور ﷺ سے خطاب کے لیے ہی استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ کا آغاز ہوتا ہے:

{طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ﴿۲﴾}

’’اے محمدؐ! ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں نازل کیا ہے کہ آپ نامراد رہیں۔‘‘

عام طور پر مترجمین نے لِتَشْقٰی کا ترجمہ کیا ہے : ’’تاکہ آپ مشقت میں پڑیں‘‘۔ لیکن یہ مشقت سے نہیں بلکہ ’’شقی‘‘ سے مشتق ہے۔ جیسے کہ دو مرتبہ سورۂ مریم میں آیا ہے:{لَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾} ’’پروردگار! میں تجھ کو پکار کر کبھی نامراد نہیں رہا۔‘‘ اور{وَّلَمۡ يَجۡعَلۡنِىۡ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾} ’’اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔‘‘ چنانچہ ‘یہاں درحقیقت خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اے نبی ! آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ آپ ناکام ہوں یا آپ کفار سے مغلوب ہو جائیں‘ بالآخر آپ غالب آکر رہیں گے‘ اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ البتہ درمیانی عرصہ میں تکالیف‘ امتحانات اور ابتلاء و آزمائش کا ایک دور ہے جس سے آپؐ ‘کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو گزرنا ہے۔

{اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ۙ﴿۳﴾}

’’یہ (قرآن) تو ایک تذکیر اور یاددہانی ہے اُس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اُس کے الفاظ بھی اس سورت میں آئے ہیں۔جب حضرت موسیٰ آگ کی تلاش میں کوہِ طور پر پہنچے تو آپؑ کو بایں الفاظ پکارا گیا:

''اے موسیٰ! یہ میں ہوں تمہارا رب' اپنے جوتے اُتار دو کہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ اور میں نے تمہیں (ایک خاص مقصد کے لیے) منتخب کیا ہے' پس اسے توجہ سے سنو جو تم پر وحی کیا جا رہا ہے ۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا میری ہی بندگی اور پرستش کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ اور یاد رکھو کہ قیامت آکر رہے گی لیکن میں نے اُس (کے وقتِ معین) کو مخفی رکھا ہوا ہے تاکہ ہر ایک کو اُس کے کیے کا پورا بدلہ مل سکے۔ تو ایسے لوگ جو اس پر یقین نہیں رکھتے اور جو اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں تمہیں قیامت (کے فکر یا اُس کے یقین) سے غافل نہ کر دیں' اگر ایسا ہوا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔'' (آیات ۱۱-۱۶)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس پہلی مخاطبت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا۔

{اِذۡہَبَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّہٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾}

''(اچھا تو اب) تم فرعون کے پاس جاؤ' وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔''

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا مانگی وہ دوسرے رکوع کے بالکل آغاز میں وارد ہوئی ہے۔ کسی بھی داعیٔ حق کے لیے جو اپنے مشن کی کامیابی کے لیے کوشاں ہو' یہ دعا ہمیشہ ہمیش کے لیے نمونہ ہے کہ اپنے اہل و عیال میں سے' خاص طور پر اپنے بھائیوں میں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے پروردگار! ان کو میرے کام میں میرا شریک کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کیا:

''پروردگار! میرے سینے کو کھول دے' اور میرے لیے میرے کام کو آسان بنا دے' اور میری زبان میں جو گرہ پڑی ہوئی ہے اس کو کھول دے تاکہ یہ میری بات کو سمجھیں۔ اور میرے لیے میرے اپنے خاندان میں سے میرا ایک ساجھی بنا دے (جو میرا بوجھ بٹانے والا ہو)۔ میرے بھائی ہارون کو (میرا ساجھی بنا دے)۔ اس کے ذریعے سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے اس کام میں شریک کر دے ۔ تاکہ ہم دونوں مل کر کثرت سے تیری تسبیح بھی کریں اور کثرت سے تیرا

ذکر بھی کریں۔ یقیناً تو ہمارے حالات کا دیکھنے والا ہے۔'' (آیات ۲۵ ۔ ۳۵)

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی ﴿ ۳۶ ﴾} ''اے موسیٰ تمہاری سب درخواستیں منظور!'' ---- ''اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ایک اور احسان کا ذکر فرمایا کہ ان کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ کو یہ بات الہام فرمائی تھی کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔ اس طرح فرعون کے گھر میں ان کی پرورش کا انتظام فرمایا۔ یہاں خاص طور پر اُس محبت و شفقت کا ذکر بھی فرمایا گیا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر القاء ہوا تھا اور جو انہیں دیکھتا تھا اُن کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ فرمایا: {وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ ۚ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾ } ''اور میں نے تم پر اپنی محبت کا ایک عکس ڈال دیا تھا' تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔'' میں نے یہ خصوصی اہتمام کیا تھا کہ تمہاری تربیت و پرورش خاص میری نگرانی میں ہو۔ پھر فرمایا کہ تم یہاں ایسے ہی نہیں پہنچ گئے ہو' یہ تو ہمارا طے شدہ فیصلہ تھا اور تقدیر الٰہی تھی جو تمہیں یہاں لے آئی ہے: {ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ﴿ ۴۰ ﴾}۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک خاص مشن کے لیے تیار کیا ہے ۔ پس اب تم اور تمہارا بھائی ہارون دونوں میری نشانیوں کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ... !

چھٹے رکوع میں قرآن حکیم کے حوالہ سے یہ بات آئی کہ ہم نے اس قرآن کو قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے اپنی تمام دھمکیوں اور وعیدوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں یا اس کے ذریعے سے غور و فکر کی طرف مائل ہوں۔ اس کے بعد فرمایا:

{فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ ۚ وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ ۫ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿ ۱۱۴ ﴾ }

''اللہ بہت بلند و برتر ہے' بادشاہِ حقیقی ہے۔ (اے نبی ﷺ !) آپ اس قرآن کے نزول کے لیے جلدی نہ کیجیے جب تک کہ آپؐ کی طرف اُس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے' اور دعا کرتے رہیں کہ پروردگار' میرا علم اور زیادہ کر!''

14

آخری رکوع میں نبی اکرم ﷺ سے خصوصی خطاب ہے' جیسے مکی سورتوں کا بالعموم اسلوب ہے۔ فرمایا:

''پس اے نبی ﷺ ! آپ صبر کریں اُس پر جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور تسبیح کیا کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے قبل بھی اور اس کے غروب ہونے کے بعد بھی۔ اور رات کے اوقات میں بھی اور دن کے دونوں اطراف میں بھی' شاید کہ آپ (ظہورِ نتائج سے) راضی ہو جائیں۔'' (آیت ۱۳۰)

پھر اُسی مضمون کا یہاں بھی اعادہ کیا گیا جو سورۃ الحجر میں تقریباً انہی الفاظ میں بیان ہو چکا ہے کہ:

''اے نبی ﷺ ! اپنی نگاہیں ہرگز اُس دنیوی مال و متاع اور ساز و سامان کی طرف نہ اٹھایئے کہ جو ہم نے ان گروہوں (کافروں اور مشرکوں) کو دے رکھا ہے (یہ صرف اس دنیا کی چمک دمک ہے' اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ

ہم نے اِن کو صرف اس لیے دیا ہے) تاکہ اس کے ذریعہ ہم ان کو فتنہ میں بتلا کر دیں۔ اور جو آپ کے رب کا رزق ہے وہ بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے''۔ (آیت ۱۳۱)

یہاں رزق سے کیا مراد ہے؟ ہم اس کی تاویل سورۃ الحجر کی آیت کی روشنی میں کریں گے: {وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ ﴿۸۷﴾}چنانچہ اصل رزق اور اصل دولت یہ قرآن عظیم ہے۔ آگے فرمایا:

{وَ اۡمُرۡ اَہۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَ اصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُکَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکَ ؕ وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلتَّقۡوٰی ﴿۱۳۲﴾}

''اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس پر جمے رہیے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگ رہے' بلکہ رزق تو ہم آپ کو دیں گے۔ اور عاقبت کا گھر تو تقویٰ ہی کے لیے مخصوص ہے''۔

سُورۃُ الانبِیَاء

سورۃ الانبیاء سات رکوع اور ۱۱۲ آیات پر مشتمل ہے۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز اس یاد دہانی سے ہوا ہے کہ:

{اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ﴿۱﴾}

''لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت (یعنی قیامت کی گھڑی) قریب آگیا ہے' اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

اس کے بعد قرآن حکیم کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ:

{لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰﴾}

''(لوگو!) ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟''

آگے چل کر فرمایا:

''اس (قرآن) میں اُن کے لیے بھی ذکر ہے جو میرے ساتھ ہیں اور اُن لوگوں کا ذکر بھی ہے جو مجھ سے پہلے آئے ہیں۔ مگر اکثر لوگ حق کو جانتے نہیں' اس لیے اعراض کر رہے ہیں۔ (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا صرف میری ہی بندگی کریں۔'' (آیات ۲۴۔۲۵)

تیسرے رکوع میں یہ مضمون آیا ہے کہ{خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ} (آیت ۳۷)''انسان کی سرشت میں جلد بازی ہے۔''یہ مضمون سورۂ طٰہٰ میں بھی بیان ہوا ہے کہ جلد بازی تو خیر گے کاموں میں بھی مناسب نہیں ہوتی۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں بھی انسان ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھے گا تو اس میں پختگی ہوگی۔ اس کے برعکس اگر چھلانگیں یا زقند لگائے گا تو پھر وہ ناکام ہو جائے گا۔ جلد بازی انسان کے اندر کی ایک خلقی کمزوری ہے۔

سورۃ الانبیاء بھی ان سورتوں میں سے ہے جن میں انبیاء کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔ آیت ۴۸ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پانچویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خاصا طویل ہے۔ پھر حضرات لوط' اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر ہے۔ حضراتِ نوح' داؤد' سلیمان اور ایوب علیہم السلام کا ذکر بھی آیا ہے۔ خصوصاً حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا بہت اہم ہے جو ہم مسلمانوں میں بہت عام ہے اور

جس ''آیت کریمہ'' کا ہم ختم بھی کرتے ہیں:{لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ ۖ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾} یہ آیت درحقیقت معرفتِ الٰہی کا ایک عظیم خزانہ ہے کہ انسان اس کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرے۔ اس کو ایک خاص طریقے سے لاکھ دو لاکھ دفعہ پڑھ لینے سے اس سے استفادہ کا حق ادا نہیں ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تو اس کے اندر کی تاریکیوں میں انہوں نے اپنے رب کو پکارا:

''پروردگار! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' تو پاک ہے' بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔'' میں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ یہ بالکل وہی بات ہے کہ جو حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی دعا کی صورت میں سورۃ الاعراف میں نقل ہوئی ہے:

{رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۟ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۲۳﴾}

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اور اگر تو ہمیں معاف نہیں فرمائے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔''

چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی ۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی:

{فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ ۙ وَ نَجَّیۡنٰہُ مِنَ الۡغَمِّ ؕ وَ کَذٰلِکَ نُۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۸﴾}

''پس ہم نے اس کی فریاد سن لی اور اُسے غم سے نجات دی' اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''

ان کے علاوہ حضرات زکریا' یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا بھی ذکر آیا ہے اور حضرت مریم سلامٌ علیہا کا بھی۔

سورۃ الانبیاء کے آخر میں وہ آیت مبارکہ بھی آئی ہے جو ہمیں بہت محبوب ہے اور ہمارے ہاسیرت لی تقاریر کا عنوان بنتی ہے: {وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾} ''(اے محمد ﷺ !) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے

لیے رحمت بنا کر۔''پھر آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

''(اے نبی ﷺ !) اگر یہ روگردانی کریں تو آپؐ کہہ دیجیے کہ میں نے تو تمہیں کھلے بندوں دعوت پہنچا دی ہے۔ باقی مجھے نہیں معلوم کہ جس عذاب کی دھمکی تمہیں دی جا رہی ہے وہ قریب ہے یا ابھی کچھ فاصلہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند آواز سے کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور اُس سے بھی واقف ہے جو تم چھپاتے ہو۔ اور مجھے کیا معلوم' ہو سکتا ہے کہ یہ تاخیر تمہارے لیے ایک آزمائش کے طور پر ہو اور ابھی تمہیں کچھ دیر کی مہلت ملنے والی ہو۔ آخر کار پیغمبرؐ نے دعا کی کہ اے پروردگار! فیصلہ صادر فرما دے حق کے ساتھ۔ اور ہمارا پروردگار جو رحمن ہے اُسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اُن تمام باتوں پر جو تم کر رہے ہو۔''(آیات ۱۰۹-۱۱۲)

* * *

(5) سُورۃُ الحَجّ، سُورۃُ المُؤمِنُون، سُورۃُ النُّور

سُورۃُ الحَجِّ

سورۃ الحج ۱۰ رکوعوں اور ۷۸ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں علماء کے مابین کچھ اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کے مضامین کا بیشتر حصہ مکی سورتوں کے مضامین سے مشابہ ہے' لیکن اس میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں بجا طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ مدنی ہیں۔ میرا اپنا تأثر یہ ہے کہ یہ سورت دراصل مکی ہے' اس کے تمام مضامین اور اس کا پورا تانا بانا بالکل مکی سورتوں کے مشابہ ہے' البتہ اس کی بعض آیات جن کے مدنی ہونے کا گمان ہوتا ہے وہ مدنی نہیں بلکہ برزخی ہیں' یعنی مکہ سے مدینہ کے سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئیں۔ ایک جانب مکہ کے حالات تھے جہاں لوگ رسول اللہ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔

وہاں سے حضور ﷺ کو جان بچا کر جس طرح بھی ممکن ہو سکا نکلنا پڑا۔ تین دن تک آپؐ غارِ ثور میں روپوش رہے۔ اس کے بعد بھی آپؐ کا تعاقب ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آپؐ کو بچایا۔ دوسری

جانب مدینہ منورہ کا حال یہ تھا کہ وہاں آپؐ کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور مدینہ میں آپ کا داخلہ بلامبالغہ ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے ہوا۔ یہ حالات کا ایک عظیم الشان فرق تھا جو ہجرت کے نتیجہ میں واقع ہو رہا تھا۔ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اب جو تبدیلی حضور ﷺ کے طرزِ عمل میں پیدا ہونے والی تھی وہی ان آیات میں بیان ہوئی ہے اور میرے نزدیک ان کے نزول کا بہترین موقع سفر ہجرت ہی بنتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے پہلے رکوع میں بڑے پرجلال انداز میں ایمان بالآخرۃ کا ذکر ہوا ہے۔ ابتدائی آیات ہی لرزا دینے والی ہیں:

{یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ﴿۱﴾}

''اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو' قیامت کا زلزلہ یقیناً بہت بڑی شے ہوگی۔''

اُس دن کی ہولناکی کا اندازہ کرنے کے لیے ایک تمثیل بیان کی گئی ہے:

{یَوْمَ تَرَوْنَہَا تَذْہَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَہَا وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَ مَا ہُمْ بِسُکٰرٰی وَ لٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ﴿۲﴾}

''جس روز تم اسے دیکھو گے' ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی' ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا' اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے' حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے' بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔''

آپ کے علم میں ہے کہ رضاعت کا دَور ایک خاص دَور ہوتا ہے۔ اگرچہ ماں کی ممتا اور محبت تو بعد میں بھی ہوتی ہے اور ہمیشہ ہی رہتی ہے لیکن اس خصوصی دَور میں تو اس کا کوئی تصور ہی ممکن نہیں۔ صرف انسانوں کا ہی معاملہ نہیں بلکہ حیوان بھی اپنے دودھ پیتے بچوں کے ساتھ ایسی محبت اور شفقت رکھتے ہیں کہ ماں اپنے شیر خوار بچے کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ ایسا ہیبت ناک دن ہوگا کہ اُس روز دودھ پلانے والی مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی اور دہشت سے تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے' اور اُس روز کی سختی کے اثرات سے لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔

پھر فرمایا کہ انسانوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں (اس میں زیادہ اشارہ اللہ کی قدرت کے بارے میں ہے کہ جس کے ذریعے وہ تمام نوعِ انسانی کو دوبارہ پیدا کر

کے جمع کرے گا) کٹ حجتیاں کرتے اور من گھڑت دلیلیں دیتے ہیں ' حالانکہ نہ تو ان کے پاس کوئی راہنمائی اور ہدایت ہے اور نہ ہی کوئی روشن کتاب موجود ہے جس کی بنیاد پر وہ دلیل بازیاں کرتے ہیں۔ اگر ان کی زندگیوں' سیرت و کردار اور معاملات (جو کہ نہایت پست اور گھٹیا ہیں) کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرکش شیطان کے پیروکار ہیں' حالانکہ اُس شیطان کے بارے میں تو یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ جو کوئی بھی اس کو اپنا ساتھی بنائے گا تو وہ اس کو گمراہ کر کے جہنم کی آگ میں پہنچا کر رہے گا۔

ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں اولاً خود انسان کی تخلیق سے استشہاد کیا گیا اور پھر مردہ زمین کی مثال دی گئی کہ تم دیکھتے ہو کہ بارش کے برسنے سے اس میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ پھر تم اس میں کیسے شک کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا؟'

دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہم سب کے لیے جو بعث بعد الموت کا اقرار کرتے ہیں' عملی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ ارشاد ہوا کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی بندگی کرتے ہیں کنارے کنارے۔ (گویا ایک لفظ میں پوری صورت حال کی تصویر دے دی گئی۔) اگر خیر خیریت ہے' فائدہ پہنچ رہا ہے' کوئی امتحان و آزمائش نہیں ہے تو بڑے آرام و اطمینان سے چلتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ابتلا آجاتی ہے تو اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ کیفیت دنیا اور آخرت دونوں میں خسارے کا باعث ہے' اور یہی تو صریح خسارہ ہے۔ یہ درحقیقت منافقت کی ایک تعبیر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ شعوری منافقت ہو' بلکہ یہ غیر شعوری منافقت ہے' جو حقیقی اور قلبی منافقت ہے۔ مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ جب اپنے آپ کو اللہ سے وابستہ کرے تو اس طور سے کہ ''ہرچہ بادا باد' ما کشتی در آب انداختیم!''

20

حق و باطل کے مابین کشمکش کے ضمن میں آیت ۱۵ ایک اہم آیت ہے اور مشکلاتِ قرآن میں سے ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بیشتر لوگ اس میں سرگرداں رہے ہیں اور بہت کم لوگ اس کو سمجھ پائے ہیں۔ اس میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں مؤمن کا واحد سہارا اللہ کی مدد کی اُمید ہے' لیکن شیطان کے وسوسوں کے زیر اثر کبھی ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ اس امید کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کیفیت ہو جائے تو پھر انسان کے پاس کون سا سہارا رہ جاتا ہے؟ تو اس آیت میں دراصل یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنی اُمید کے رشتے کو کمزور نہ پڑنے دو' اُس کی مدد پر یقین رکھو' وہ آکر رہے گی۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں آیا ہے کہ سفرِ ہجرت کے دوران آنحضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: {لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا} ۔ یہ یقین ہو تو آدمی قائم رہے گا' ورنہ اس کے قدم اکھڑ جائیں گے اور وہ گر پڑے گا۔ اس کے لیے یہ تمثیل دی گئی ہے:

{مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ ہَلْ یُذْہِبَنَّ کَیْدُہٗ مَا یَغِیْظُ

’’جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی کوئی مدد نہ کرے گا اسے چاہیے کہ ذرا بلندی کی طرف ایک رسّی تان لے‘ پھر اس رسّی کو کاٹ دے‘ پھر ذرا دیکھے کہ اُس کی یہ تدبیر اس چیز کو رد کر سکتی ہے جو اسے ناگوار ہے؟‘‘

یعنی اللہ کی نصرت کی اُمید ہی ہماری آس ہے۔ یہی وہ حبل اللہ ہے جس کے ذریعے ہم اللہ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اُسی کو منقطع کر دیں پھر تو ہمارے لیے کوئی سہارا رہے گا ہی نہیں۔ گویا پھر تو ہم آسمان سے زمین پر پٹخ دیے جائیں گے۔

آگے جا کر آیت ۳۱ میں ایک اور تمثیل بیان ہوئی ہے کہ جو شخص خدا کے ساتھ کسی کو شریک مقرر کرے تو وہ ایسا ہے گویا آسمان سے گر پڑے اور پھر اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا کا جھونکا اسے کسی دُور افتادہ جگہ پر پھینک دے۔ یعنی حالات کا ایک ریلا آئے گا اور اس کو بہا لے جائے گا۔ اس کے قدم جمے نہیں رہیں گے۔

اس سورۂ مبارکہ کے تیسرے رکوع کے آخری حصہ سے پانچویں رکوع تک مناسک۔

21

حج کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں مناسک حج کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ البقرۃ میں جو ہم پڑھ چکے ہیں اور دوسری مرتبہ اس سورۃ الحج میں۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے:

{اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلۡنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَۨ الۡعَاکِفُ فِیۡہِ وَ الۡبَادِ ؕ وَ مَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۵﴾}

’’یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی (روئے سخن قریش مکہ کی طرف ہے) اور جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے روک رہے ہیں‘ جسے ہم نے یکساں (بلا امتیاز) تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے‘ مقامی ہوں یا باہر سے آنے والے‘ (تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ) ہر اُس شخص کو جو اس (مسجد حرام) میں ازراہِ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔‘‘

یہاں اہل ایمان کی غیرت کو بھی للکارا جا رہا ہے کہ مشرکین نے تمہیں مسجد حرام میں داخلے اور حج و عمرہ سے روک دیا ہے اور تمہیں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب تمہیں یہاں سے نکل کر ٹھنڈی چھاؤں یا گوشۂ عافیت میں جا کر بیٹھ نہیں رہنا ہے بلکہ اب تمہاری جدوجہد کا ایک نیا مرحلہ (phase) شروع ہونے والا ہے۔ اب تمہیں توحید کے اس مرکز کو مشرکوں کے تسلط سے آزاد کرانا ہے۔

مسجد حرام کے بارے میں یہاں ایک عجیب بات فرمائی گئی ہے کہ اس میں ہم نے یہاں رہنے والوں

اور باہر سے آنے والوں کو بالکل برابر کر دیا ہے۔ یہ نہایت اہم اعلان ہے‘ جس کی رو سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر سے آنے والوں پر کوئی خصوصی اور امتیازی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ تمام اہل ایمان کے لیے ایک کھلا شہر (open city) ہے۔ اس میں اگر کوئی قدغنیں لگائی جائیں گی تو وہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہوں گی۔ اسی طرح وہاں پر جو کرائے وصول کیے جاتے ہیں وہ پرلے درجے کی حرام خوری ہے جو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ ارشادِ نبویؐ کے مطابق ارضِ مکہ کا کرایہ حرام ہے۔ اس لیے کہ وہاں تو لوگ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لیے آتے ہیں جس کو

آج کل ان لوگوں نے کمائی کا دھندا بنا رکھا ہے۔ پھر اس گھر کی تعمیر کا مقصد بتایا گیا کہ یہ گھر توحید کا مرکز بنے اور یہاں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جو لوگ بھی یہاں طواف‘ قیام اور رکوع و سجود کے لیے آئیں تو ان کی خاطر ہمارے گھر کو پاک و صاف رکھا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا:

{وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ ...}

یعنی لوگوں کو حج کے لیے پکارو تو وہ چلے آئیں گے پیدل بھی اور ہر اُس اونٹنی پر بھی جو طویل سفر کر کے دبلی ہو چکی ہو گی‘ ہر دور دراز مقام سے گہری کھائیوں کو عبور کرتے ہوئے آئیں گے اور ہمارا یہ گھر آباد رہے گا تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو ان کے لیے یہاں رکھے گئے ہیں اور وہ چند معین دنوں میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو ہم نے انہیں عطا کیے ہیں۔

قربانی جو کہ مناسکِ حج کا ایک اہم جزو ہے اس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں نہیں آیا۔ اس سورت میں اس کا ذکر نہایت اہتمام کے ساتھ آیا ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اللہ تک نہ تو ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون‘ البتہ اگر تقویٰ ہے تو وہ پہنچ جاتا ہے۔

پانچویں رکوع کی آخری آیت اور چھٹے رکوع کی آیات میرے نزدیک برزخی آیات ہیں‘ جن میں ہجرت کے نتیجہ میں تبدیل ہو جانے والی صورتِ حال کی جانب اشارہ ہے۔ فرمایا:

{اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ ﴿۳۸﴾}

’’یقیناً اللہ تعالیٰ مدافعت فرمائے گا اہل ایمان کی جانب سے۔ یقیناً اللہ کسی خائن کافر نعمت کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

ان خائنین کو جنہوں نے بیت اللہ کے متولی ہونے کے ناطے سے خیانت کی ہے اور جو ناقدرے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اب سمجھ لیں کہ پانسہ پلٹنے والا ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ کی مدد کا سورج اب اہل ایمان کے لیے طلوع ہو گا۔ اس کے بعد وہ اہم

آیت آئی ہے جس کے نتیجے میں مکی دور کا صبر محض (Passive Resistance) کا مرحلہ اب اقدام (Active Resistance) کے مرحلے میں تبدیل ہو رہا ہے۔ فرمایا:

{اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ ﴿۳۹﴾ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ...}

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ' اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا 'اور اللہ یقینا ان کی مدد پر قادر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے جن کا جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے کہا ہمارا رب صرف اللہ ہے۔''

اس سے آگے انتہائی زوردار اور تاکیدی انداز میں فرمایا:

{وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۴۰﴾}

''اللہ تعالیٰ لازماً مدد کرے گا ان کی جو اُس (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ یقینا اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔''

اس سے اگلی آیت میں گویا ایک طرح کا منشور (manifesto)بیان کر دیا گیا کہ اب اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی اہل ِایمان مدینہ پہنچ کر جو ایک چھوٹی سی شہری ریاست قائم کرنے والے ہیں وہاں ان کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ہم زمین میں تمکن عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ ادا کریں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

سورۃ الحج کا آخری رکوع اس اعتبار سے بہت جامع ہے کہ ان چھ آیات میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ آگیا ہے۔ پہلی چار آیات میں بڑے جامع انداز میں ایمان کی دعوت ِعمومی یعنی تمام بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ' توحید' اللہ کی صفاتِ کمال 'نبوت و رسالت' بعث بعد الموت کو ماننے کی دعوت ہے۔ اس کے بعد دعوت ِخصوصی ہے ان لوگوں کے لیے جو پہلی دعوت کے ماننے کا اقرار کریں۔ یعنی یہ دعوتِ عمل ہے اُن کے لیے جو ایمان کا دعویٰ یا اقرار کریں۔

توحید کے حوالے سے مخاطبین کو ایک مکھی کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ تم جن

کو پوج رہے ہو ان کی بے بسی اور لاچارگی کا تو یہ عالم ہے کہ وہ ایک مکھی کی تخلیق پر بھی قادر نہیں چاہے مل جل کر زور لگا لیں۔ حتی کہ اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس کو واپس نہیں لے سکتے ہیں۔ کتنے لاچار ہیں یہ معبود اور کتنے بے بس ہیں جو ان کو پوج رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا اندازہ نہیں کر سکے جیسا کہ انہیں کرنا

چاہیے تھا ۔ یقیناً اللہ قوی اور عزیز ہے۔ رسالت کے حوالے سے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اپنے ایلچی چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ چنانچہ یہ وحی اللہ سے جبرائیل کو‘ اُن سے محمد رسول اللہ ﷺ کو اور پھر اُن کے ذریعے انسانوں کو منتقل ہوئی ہے۔

آخری دو آیات ہم سب اہل ایمان کے لیے اہم ترین ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں چار فعل امر جمع ہیں:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ارۡکَعُوۡا وَ اسۡجُدُوۡا وَ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ وَ افۡعَلُوا الۡخَیۡرَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۷۷﴾}

’’اے اہل ایمان ! رکوع کرو‘ سجدہ کرو‘ اپنے رب کی بندگی اور پرستش کرو اور اچھے کام کرو تاکہ تم فلاح پائو۔‘‘

مجرد زبانی اقرار سے کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ مذکورہ بالا چار شرائط پوری نہ کی جائیں۔ اس سے بھی اہم تر بات آخری آیت میں بیان ہوئی ہے:

{وَ جَاہِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ؕ...}

’’اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسا کہ اس کے لیے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں (اس کام کے لیے) چن لیا ہے‘ اور دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ (قائم رہو) اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم نوعِ انسانی پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کرو‘ زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ (کی رسّی) کو مضبوط پکڑ لو۔ وہی تمہارا کارساز ہے‘ سو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار !‘‘

سُورۃُ المُؤمِنُون

سورۃ المؤمنون چھ رکوع اور ایک سو اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورت کا بھی پہلا رکوع ہمارے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں شامل ہے۔ اندازِ بیان اور مضامین سے معلوم ہوتا ہے اس کا نزول مکہ کا دورِ متوسط ہے جس وقت رسول اللہ ﷺ اور کفارِ مکہ کے درمیان سخت کشمکش برپا تھی۔ اس سورت کا مرکزی مضمون اتباعِ رسولؐ کی دعوت ہے اور پورے مضامین اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ اس سورت کے پہلے رکوع کا مضمون سورۃ الحج کی آخری آیت کے ساتھ بڑا مربوط ہے۔ وہاں بات ختم ہوئی تھی اقامتِ صلوٰۃ وایتاء

الزکوٰۃ پر اور یہاں بات شروع ہورہی ہے فلاح پانے والوں کے اوصاف سے جو نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے‘ لغو باتوں سے اعراض کرنے والے‘ زکوٰۃ کی ادائیگی پر کاربند رہنے والے‘ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے‘ اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے اور اپنی نمازوں کی محافظت کرنے والے ہیں۔ انہی کو جنت الفردوس کا وارث قرار دیا گیا ہے۔

اُس کے بعد آیات ۱۱ تا ۱۶ بہت اہم ہیں‘ جن میں علم الجنین (embryology) جیسے اہم مضمون کے حوالے آئے ہیں۔ اس ضمن میںویسے تو قرآن مجید میں جابجا اشارات موجود ہیں‘ سورۃ الحج میں بھی تفصیل سے ان مراحل کا ذکر آیا ہے جن سے جنین رحمِ مادر میں گزرتا ہے‘ لیکن اس مقام پر تخلیق انسانی کے جملہ مراحل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

’’ہم نے انسان کوپیدا کیا مٹی کے خلاصے سے۔ پھر ہم نے اسے نطفے کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر (رحم مادر میں) ٹھہرائے رکھا۔ پھر ہم نے اُس نطفے کو علقہ کی شکل دی‘ پھر علقہ کو مضغہ بنایا‘پھر مضغہ کی ہڈیاں بنائیں‘ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر (ان تمام مراحل سے گزار کر) ہم نے اس کو ایک اور ہی تخلیق بنا دیا۔ تو بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام خالقوں سے بہتر تخلیق فرمانے والا ہے۔ پھر اس کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم کو یقینا اٹھا کھڑا

کیا جائے گا۔‘‘(آیات ۱۲-۱۶)

دوسرے اور تیسرے رکوع میں اختصار کے ساتھ کچھ انباء الرسل آئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ چیزیں سورۃ الاعراف‘ سورۂ ہود اور سورۃ الحجر میں بھی آچکی ہیں۔ آیت ۳۷ میں بڑی جامعیت کے ساتھ ’’نظریۂ دَہریت‘‘ کی تعبیر چند الفاظ میں آگئی ہے جہاں کافروں کا یہ قول نقل ہوا ہے:

{اِنۡ ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَ مَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ ﴿۳۷﴾}

’’کوئی اور زندگی نہیں ہے سوائے ہماری اس دُنیوی زندگی کے‘ ہم خود ہی مرتے ہیں‘ خود ہی زندہ رہتے ہیں‘ اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔‘‘

اہل ایمان کی کچھ صفات کا ابتدا میں ذکر ہوا تھا‘ چوتھے رکوع کے تقریباً وسط میں ان میں کچھ اور صفات کا اضافہ کیا گیا ہے:

’’یقینا وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں اپنے ربّ کا خوف اور تقویٰ ہے اور وہ اُس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جو اپنے رب کی آیات پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور (اُس کی راہ میں) جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں تو ان کے دل اس احساس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ انہیں اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا

ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو خیرات' حسنات اور بھلائیوں کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی آگے نکل جانے والے ہیں۔'' (آیات ۵۷ ۔ ۶۱)

چھٹے رکوع کے شروع میں (جیسا کہ اکثر مکی سورتوں کے اختتام پر ہوتا ہے) حضور ﷺ کو تلقین کی جا رہی ہے کہ آپ یہ دعا مانگئے: ''اے پروردگار! تو اگر مجھے دکھا ہی دے جس کی دھمکی انہیں دی جا رہی ہے (یعنی عذاب اگر میری زندگی ہی میں آجائے اور تو ان کو اپنی گرفت میں لے لے) تو مجھے ظالموں کی قوم میں شامل نہ کیجئیو''۔ (آیات ۹۳'۹۴) پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم جس چیز کی ان کو دھمکی دے رہے ہیں اسے آپ کو دکھانے پر قادر ہیں۔ اب جن حالات سے آپ کو سابقہ ہے تو اچھی طریقہ پر مدافعت کیجیے' بدی کا مقابلہ حسنہ کے ساتھ کیجیے۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو

کچھ یہ کہہ رہے ہیں۔ اور یہ کہا کرو ''اے پروردگار! میں تیری ہی پناہ میں آتا ہوں شیطانوں کے چھوت لگانے سے اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ وہ شیاطین میرے پاس آئیں۔'' (آیات ۹۷'۹۸)

پھر فرمایا کہ جب کسی کی موت آجائے گی تو وہ خواہش ظاہر کرے گا کہ اس کو لوٹا دیا جائے اور کچھ مہلت مل جائے تاکہ کچھ نیک کام کر آئے۔ اس آرزو کے جواب میں فرمایا گیا کہ ہرگز نہیں' یہ تو جب جان پر بنی ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے' ورنہ یہ پھر وہی حرکتیں کرے گا جو پہلے کرتا رہا ہے۔ اب ان سب کے آگے ایک برزخ حائل ہے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک ۔پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ تو لوگوں کے درمیان رشتہ داریاں ہوں گی اور نہ ایک دوسرے کی بابت پوچھیں گے۔

آخر میں ارشاد ہوا:

''تو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار اور بے مقصد پیدا کیا اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا ہے؟ بہت بلند و بالا ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے ' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ باعزت تخت کا مالک ہے۔ اور جو شخص بھی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو (اپنی حاجت روائی کے لیے) پکارتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پا سکیں گے۔ اور (اے نبی!) دعا کرو کہ اے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما' اور یقینا تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے''۔ (آیات ۱۱۵۔۱۱۸)

سُورۃُ النُّور

یہ سورۃ بالاتفاق مدنی سورت ہے جو نو رکوعوں اور ۱۶۴ آیات پر مشتمل ہے۔ سورۂ یونس سے مکی سورتوں کا جو سلسلہ شروع ہو اتھا وہ سورۃ المؤمنون تک جاری رہا۔ اس کے بعد یہ مدنی سورت ہے اور حسن اتفاق سے مصحف میں یہ ساتویں مدنی سورت ہے۔ اس کی پہلی آیت خاص طور پر اشارہ کر رہی ہے کہ اس میں بعض اہم احکامِ شریعت بیان

ہو رہے ہیں:

{سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾}

''یہ ایک عظیم سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور جسے ہم نے فرض ٹھہرایا ہے اور اس میں ہم نے بڑی واضح آیات نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

اس میں سب سے پہلے جو حکم آیا ہے وہ حد زنا ہے کہ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ ان کے معاملے میں کوئی رحمت و شفقت اور نرمی تمہارے دلوں میں پیدا نہیں ہونی چاہیے اگر تم واقعتا اللہ پر اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہو' اور یہ بھی کہ یہ حد لوگوں کی موجودگی میں جاری کی جائے تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ قرآن حکیم میں زنا کی سزا کے سلسلہ میں یہی آیت وارد ہوئی ہے' لیکن شریعت اسلامی کے دوسرے سرچشمے یعنی سنت ِ رسول اللہ ﷺ نے یہ معین کر دیا ہے کہ یہ حد غیر شادی شدہ زانی مرد و عورت کے لیے ہے' جبکہ شادی شدہ مرد و عورت کے لیے زنا کی سزا رجم ہے۔ یہ سنت ِ رسولؐ سے بھی ثابت ہے اور خلفائے اربعہ اور ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے۔ سوائے خوارج اور اس دَور کے منکرین حدیث کے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔

اس کے بعد قذف اور لعان کی حدود کا ذکر آیا ہے۔ قذف یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور اسے ثابت نہ کر سکے۔ ایسے شخص کے لیے اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا کا حکم آیا ہے اور یہ بھی کہ اس شخص کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ لعان یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس چار گواہ موجود نہ ہوں۔ وہ شخص چار مرتبہ قسم کھا کر کہے گا کہ میں درست کہہ رہا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت۔ اس کے جواب میں اگر اس کی بیوی بھی چار مرتبہ قسم کھالے کہ یہ مجھ پر غلط الزام لگا رہا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو' تو وہ سزا سے بچ جائے گی ۔ لیکن اگر بیوی قسم نہ کھائے تو اس پر حد جاری کر

دی جائے گی۔ یہ معاملہ لعان کہلاتا ہے۔

بعد ازاں سیرتِ نبویؐ کے ایک اہم واقعہ کا ذکر ہوا جو نبی اکرم ﷺ کے لیے انتہائی اذیت اور تکلیف کا موجب رہا۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا معاملہ ہے۔ دوسرے رکوع میں اس کا بیان شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اُن تمام لوگوں کو ایک طرح سے بری کرنے کا حکم دیا گیا' کیونکہ اس معاملے میں ملوث تمام لوگ منافق نہیں تھے' بلکہ انہیں ''عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ'' (تمہارا ہی ایک گروہ) فرمایا۔ ان میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت اور دیگر مؤمنین بھی تھے' جن سے خطا ہو گئی۔ چونکہ انسان کی طبعی کمزوری ہے کہ وہ بری بات کو ذہناً جلدی قبول کر لیتا ہے' اس لیے اس کمزوری کا ظہور اُس دور میں اس معاملہ میں بھی ہوا۔ تاہم اس شر میں سے خیر کا پہلو یہ نکلا کہ اس کے نتیجے میں قذف اور زنا کی حدود کا بیان قرآن حکیم میں ہوا اور یہ واقعہ بہت سے دیگر احکامِ شریعت کے نزول کا ذریعہ بنا۔ البتہ واضح کر دیا گیا کہ اس معاملہ میں جس جس نے جس قدر حصہ لیا اس نے اسی قدر گناہ کمایا۔ ارشاد ہوا:

{لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱﴾}

''ان میں سے ہر شخص کو اتنا گناہ ہوا جتنا کچھ اس نے کیا تھا' اور جس شخص نے اس معاملے میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا اُس کے لیے تو بڑا سخت عذاب ہے۔''

تیسرے رکوع میں مزید احکام بیان ہوئے جن کا تعلق گھریلو زندگی سے ہے۔ سب سے پہلے گھروں میں داخلے کے احکام بیان ہوئے۔ پھر گھر کے اندر پردے کے احکام دیے گئے۔ واضح رہے کہ عورت کا ایک پردہ گھر سے باہر نامحرموں سے ہے' جس کے احکام سورۃ الاحزاب میں آئے ہیں' جبکہ سورۃ النور میں گھر کے اندر کا پردہ مذکور ہے کہ مسلمان عورتوں کو اپنے گھروں میں کس طرح رہنا چاہیے۔ گھر میں رہتے ہوئے مردوں کی یہ کیفیت ہونی چاہیے کہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھیں' اور عورتیں ساتر رہیں' ان کے سروں پر دوپٹے ہوں اور انہوں نے دوپٹوں کے بُکل اپنے سینوں پر مارے ہوئے

ہوں۔ اس کے بعد محرموں کی فہرست آئی ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا پانچواں رکوع جو اس کا بالکل وسطی رکوع ہے' ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہے۔ قرآن مجید کے اندر اس کی حیثیت یوں سمجھئے جیسے کسی قیمتی زیور کے اندر ایک قیمتی ہیرا جڑا ہو۔ اس رکوع میں تین عظیم تمثیلات بیان ہوئی ہیں۔ سب سے پہلے ایمان باللہ کی تمثیل بایں الفاظ بیان ہوئی:

{اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ...}

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں دیا رکھا ہو' اور وہ

دیا ایک چمنی میں ہو (اس کے گرد شیشہ ہو) اور وہ شیشہ ایسے چمک رہا ہو جیسے کوئی چمکدار ستارہ' اور اس میں زیتون کے ایسے مبارک درخت کا تیل جل رہا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ اس کا تیل بھڑک اُٹھنے کو بے تاب ہو اگرچہ اسے آگ نے ابھی چھوا بھی نہ ہو۔ یہ روشنی پر روشنی ہے۔ اللہ اپنے اسی نور کی طرف راہنمائی کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے۔ اور اللہ تو ہر چیز سے باخبر ہے''۔ (آیت ۳۵)

یہ کیفیت دراصل سلیم الفطرت لوگوں کی ہوتی ہے کہ ان کے اندر نورِ فطرت تو پہلے سے موجود ہوتا ہے اور جیسے ہی ان کے سامنے نورِ وحی آتا ہے ان کا آئینہ قلب جگمگا اٹھتا ہے۔ اس کے بعد کچھ کیفیات بیان ہوئی ہیں کہ جن کے دلوں میں یہ نور پیدا ہو جاتا ہے وہ مساجد میں اللہ کو صبح و شام یاد کرتے ہیں۔ انہیں ان کے کاروبار اللہ کے ذکر' اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے۔ وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جب مارے خوف کے دل اُلٹ جائیں گے اور آنکھیں پتھرا جائیں گی۔

اس کے بعد دو تمثیلیں اہل باطل کے لیے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اگرچہ ایمان نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ کوئی نہ کوئی نیکی کا کام کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں۔ ایک پیاسا صحرا نورد 'دُور سے تپتی ہوئی ریت کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ وہ پانی ہے اور اس کی طرف چلتا رہتا ہے۔ پانی تو اس کو ملتا نہیں' البتہ موت اس کی منتظر ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے حضور پہنچ جاتا

ہے جہاں اس کا حساب چکا دیا جاتا ہے۔

دوسری مثال ایسے لوگوں کی بیان ہوئی جو اپنی زندگی سراسر عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں صرف کر رہے ہیں اور جھوٹ موٹ کی نیکیوں سے بھی دور ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں ان گھٹا ٹوپ تاریکیوں کی مثال دی گئی جو کسی سمندر کی گہرائی میں ہوں۔ رات بھی اندھیری ہو اور اوپر بادل بھی ہوں۔ یعنی تہ در تہ تاریکی۔ ایسی تاریکی میں جب وہ اپنا ہاتھ باہر نکالتا ہے تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ جس کو اللہ ہی کی جانب سے نور عطا نہ ہوا ہو تو اس کو کہیں سے بھی نور نہیں مل سکتا۔

آیت ۴۵ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ساتویں رکوع کے آغاز میں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ایمان کا ناگزیر تقاضا ہے۔ اس کے بعد آیت ۵۵ میں ایمان اور عمل صالح کی روش اختیار کرنے والوں کے خلافت کا وعدہ فرمایا گیا۔ یہ آیۂ مبارکہ ''آیتِ استخلاف'' کہلاتی ہے۔

آٹھویں رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں تمہارے نوکر چاکر اور چھوٹے بچے بھی اجازت

لے کر تمہارے ہاں آئیں۔ نماز فجر سے قبل' دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ بوڑھی عورتیں جو اَب نکاح کی امیدوار نہ ہوں' وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں' بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔

سورۂ مبارکہ کے آخر میں اہل ایمان کی ان امور کی جانب رہنمائی کی گئی جن سے اسلامی نظم جماعت میں ایک عمدہ ماحول اور باہمی اعتماد کی فضا برقرار رہ سکتی ہے --- ارشاد ہوا:

''مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولؐ پر' اور جب وہ ان (ﷺ) کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو وہ وہاں سے ہرگز نہیں جاتے

32

یہاں تک کہ اُن سے اجازت حاصل کر لیں ... مسلمانو! اپنے درمیان رسولؐ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے سٹک جاتے ہیں۔ رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔ خبردار رہو' آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ تم جس روش پر بھی ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ جس روز لوگ اس کی طرف پلٹائے جائیں گے وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے''۔ (آیات ۶۲-۶۴)

* * *

33

چوتھا گروپ

الفُرقان ... تا ... الاحزاب

سُورۃُ الفُرقَان

مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل گروپنگ کے اعتبار سے ہم تیسرے گروپ کا مطالعہ مکمل کر چکے ہیں‘ جس میں سورۂ یونس سے سورۃ المؤمنون تک چودہ سورتیں مکی ہیں اوراس کے بعد ایک مدنی سورت سورۃ النور ہے۔ اب سورۃ الفرقان سے چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے ‘ اس میں مسلسل آٹھ مکی سورتیں ہیں اور پھر ایک مدنی سورت سورۃ الاحزاب ہے۔

سورۃ الفرقان ۶ رکوع اور ۷۷ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ میں بار بار لفظ ’’تَبٰرَکَ الَّذِیۡ‘‘کی تکرار ہے‘ یعنی بڑی بابرکت ہے وہ ہستی۔ جس طرح سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب کے مضامین میں بڑی مشابہت ہے‘ جس کی بناپر ان دونوں سورتوں کو جوڑا قراردیا جا سکتا ہے‘ اسی طرح سورۃ الفرقان اور سورۂ بنی اسرائیل کے مضامین میں بھی گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس سورت کا مطلع بھی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کے بہت مشابہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز ہوا تھا : {سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ...} سورۃ الکہف کے آغاز میں ارشاد ہوا : {اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ ...} اور سورۃ الفرقان کا آغاز ہو رہا ہے :

{تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾}

’’بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فرمایا اپنے بندےؐ پر فرقان (حق و باطل اور صداقت و کذب کو علیحدہ کردینے والی شے) تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے خبردار کردینے والا بنے۔‘‘

گویا نزولِ قرآن کا مقصد ہے انذار یعنی خبردار کر دینا۔ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پوری نوعِ انسانی کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے: {وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴿۲۸﴾} (سبا:۲۸)

{الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾}

’’وہ ذات جس کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی ‘جس نے کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی نہیں بنایا اور بادشاہت میں جس کا کوئی شریک نہیں ۔ اُسی نے ہر شے پیدا کی اور اُس کے لیے ایک اندازہ ٹھہرایا۔‘‘

اب ذرا اس کا موازنہ کریں سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے جو توحید کا ایک عظیم خزانہ ہے:

{وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾٪}

’’آپ کہہ دیجیے کہ تمام شکر و تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا یا بیٹی بنایا ہے اور نہ

بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے' اور نہ ہی اس سبب سے کہ وہ کمزور ہے کوئی اس کا مددگار ہے' اور اس کی بڑائی بیان کیجیے جیسا کہ اُس کی بڑائی کا حق ہے۔''

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں ذکر آیا کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے معجزوں کے مطالبے کیے۔ یہاں سورۃ الفرقان کے پہلے رکوع میں قرآن حکیم پر کفار کے اعتراضات بیان ہوئے کہ اسے آپ نے خود ہی گھڑ لیا ہے یا یہ پرانے وقتوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں' درآں حالیکہ یہ اُس ہستی کا نازل کردہ ہے کہ جو زمین و آسمانوں کے بھید جانتا ہے۔ پھر آپ ﷺ کی ذات پر اعتراضات کیے گئے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا بھی ہے' بازاروں میں بھی پھرتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے۔ کیوں نہ کوئی فرشتہ ان کی طرف نازل کیا گیا؟ یا ان پر کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا پھر کوئی ایسا باغ ہی دے دیا جاتا جس سے خود

بخود پھل اور میوے ان کو ملتے رہتے اور کوئی معاشی جدوجہد نہ کرنی پڑتی۔ اس کے جواب میں دوسرے رکوع میں یہ بتایا گیا کہ دراصل یہ قیامت کی گھڑی کو جھٹلا چکے ہیں' اور ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے' ورنہ اللہ تو اس پر قادر ہے کہ وہ آپؐ کے لیے باغات اور محلات آراستہ کر دیتا۔ لیکن یہ اس کا طریقہ اور سنت نہیں ہے۔ پھر حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب کھاتے پیتے بھی تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ ہم نے انسانوں کو خبردار کرنے کے لیے ہمیشہ انسان ہی بھیجے ہیں' البتہ ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنا دیا ہے۔

تیسرے رکوع کی ابتدا ان الفاظ سے ہو رہی ہے:

{وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ} (آیت ۲۱)

''اور کہا ان لوگوں نے جنہیں ہماری ملاقات کی اُمید نہیں ہے کیوں نہیں نازل کیے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے ربّ کو؟''

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ انہوں نے بڑا استکبار اور گھمنڈ کیا ہے اور سرکشی میں یہ بہت دور نکل گئے ہیں۔ جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے خوشی کا دن نہیں ہوگا اور وہ پکار اٹھیں گے کہ خدا کی پناہ! آیت ۲۳ میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو لوگ نیک اعمال دُنیوی شہرت اور دکھاوے کے لیے کرتے ہیں اللہ کی نگاہ میں ان کا کوئی وزن نہیں ہے۔ ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں ایک ٹھوکر لگا کر اڑتی ہوئی خاک بنا ڈالیں گے۔ اسی رکوع میں یہ آیت بھی آئی ہے:

{وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾}

اس آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ قومِ قریش کے بارے میں دنیا میں بھی حضورﷺ کا اللہ کی جناب میں یہ شکوہ ہو کہ میری قوم نے تیری کتاب کو ترک کے رکھ

دیا ہے۔ دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی لیا گیا ہے کہ آخرت میں حضورﷺ کی یہ فریاد ہو گی کہ میرے ماننے والوں نے میرے بعد اس کتاب کو پیٹھ دکھا دی تھی۔

اس کے بعد ایک اعتراض نقل ہوا کہ یہ پورا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہیں اتار دیا گیا ؟بتایا گیا کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا قرآن نازل کرکے اس کے ذریعے آپؐ کا دل مضبوط کرتے رہیں۔اس کے بعد کچھ انبیاء و رسل اور سابقہ قوموں کا ذکر ہوا ہے ۔

اس رکوع کے آخر میں یہ بہت اہم آیت آئی ہے :

{اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا ﴿۴۳﴾}

''(اے نبیﷺ !) کیا آپؐ نے اُس شخص کے حال پر نظر کی جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا آپ اسے راہِ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہیں؟''

مزید فرمایا کہ یہ لوگ تو چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔

چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ اپنی نشانیاں اور اپنی قدرت بیان فرمائی ہے۔

آیت ۵۰ میں ارشاد فرمایا:

{وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنٰہُ بَیۡنَہُمۡ لِیَذَّکَّرُوۡا ۟ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۵۰﴾}

''ہم نے اس (کتاب کے مضامین) کو دہرا دہرا کر ان کے سامنے بیان کر دیا ہے تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں' لیکن اکثر لوگوں نے انکار اور ناشکری ہی کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔''

اس آیت کا موازنہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۴۱ سے کریں تو یہی مضمون وہاں نظر آتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۵۲ میں وارد شدہ یہ الفاظ نہایت اہم ہیں:

{فَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ جَاہِدۡہُمۡ بِہٖ جِہَادًا کَبِیۡرًا ﴿۵۲﴾} ''تو آپ ان کافروں کی بات ہرگز نہ مانیے' اور ان کے ساتھ جہاد کیجیے اس قرآن کے ذریعے بہت بڑا جہاد۔''

معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ کے مرحلے پر جہاد کے لیے اصل ہتھیار قرآن

ہے' جبکہ اللہ کی راہ میں سربکف ہو کر میدانِ کارزار میں نکلنے کے مرحلے پر مؤمن کا ہتھیار تلوار ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا آخری رکوع ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہے۔ اس رکوع میں ایک مردِ

مؤمن کی شخصیت کے اعلیٰ اوصاف بیان ہوئے ہیں، جنہیں ''عباد الرحمن'' کے اوصاف کہا گیا ہے۔ وہ جب زمین پر چلیں تو آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں۔ جاہل اور اجڈ لوگوں کے ساتھ الجھتے نہیںہیں۔ وہ اپنے رب کے لیے اپنی راتیں عبادت میں کھڑے ہو کر اور سجدوں میں گزارتے ہیں۔ گڑگڑا کر اپنے رب سے جہنم سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں۔ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں' بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتے ہیں۔ نہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں۔ نہ تو جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی جھوٹے کام پر اپنی موجودگی گوارا کرتے ہیں۔ اگر کسی لغویات کے پاس سے ان کا گزر ہو جائے تو اپنا دامن بچاتے ہوئے باعزت طریقہ سے گزر جاتے ہیں ۔ جب اُن کو ان کے رب کی آیات کے حوالہ سے یاد دہانی کرائی جاتی ہے یا نصیحت کی جاتی ہے تو اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے ! یعنی ہمارے پیچھے چلنے والے لوگوں کو متقی بنا دینا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ان کے صبر کی جزا کے طور پر (انہوں نے دنیا میں جو صبر کی روش اختیار کی تھی) جنت کے بالاخانے ملیں گے' جہاں سلام اور دعاؤں کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیںگے۔

سُورۃُ الشُّعرَاء

یہ سورۃ مبارکہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے جن میں سے آٹھ رکوعوں میں اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر آیا ہے۔ ان پیغمبروں نے اپنی قوموں کے سامنے دعوت پیش کی' انہوں

نے اس دعوت کو رد کیا جس کی پاداش میں وہ ہلاک ہوئیں۔ سورۃ الاعراف کی مانند یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات تین رکوعوں پر مشتمل ہیں' جبکہ حضرات ہود' صالح' ابراہیم' لوط اور شعیب علیہم السلام کے حالات کا بیان ایک ایک رکوع میں ہوا ہے۔ ہر رسول کے حالات و واقعات کے تذکرے کے اختتام پر یہ دو آیتیں بار بار آئی ہیں: {اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹﴾} ''یقیناً اس میں بہت بڑی نشانی ہے' مگر ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے ۔ اور (اے نبی ﷺ !) یقیناً آپ کا ربّ وہی ہے جو عزیز بھی ہے رحیم بھی ہے''۔ یعنی یہ لوگ جو ہر وقت معجزات طلب کرتے ہیں تو ان کو آفاق اور انفس میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں کیوں نظر نہیں آتی ہیں؟ یہ تمام اقوام وہ ہیں جن کے حالات اہل عرب کو معلوم تھے'

کیونکہ یہ قویں عرب کے اطراف ہی میں آباد تھیں۔
سورۃ الشعراء کے بارے میں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ تعدادِ آیات کے اعتبار سے یہ سب سے بڑی مکی سورت ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت سورۃ البقرۃ ہے‘ جس کے ۴۰ رکوع اور ۲۸۶ آیات ہیں۔ حجم کے اعتبار سے سب سے بڑی مکی سورت سورۃ الاعراف ہے‘ جس کے ۲۴ رکوع اور ۲۰۶ آیات ہیں‘ کیونکہ اس کی آیات طویل ہیں۔ سورۃ الشعراء کی آیات چھوٹی چھوٹی ہیں اور تعدادِ آیات ۲۲۷ ہے۔

سورۃ الشعراء کا آغاز حروفِ مقطّعات ’’طٰسٓمٓ‘‘ سے ہوتا ہے۔ ’ط‘ کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ حرف سانپ کی شکل میں لکھا گیا ہے‘ جیسے ایک پھنیر سانپ نے اپنا پھن اٹھایا ہوا ہو اور نیچے کنڈلی ماری ہوئی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ یہی تھا کہ ان کا عصا سانپ کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ اس حرف (ط) سے شروع ہونے والی سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کا مفصل ذکر ہے۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

{طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ }

’’ط س م۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ (اے نبی ﷺ!) شاید آپ اپنے آپ کو (اس رنج اور صدمے سے) ہلاک کر لیں گے کہ یہ ایمان نہیں لا رہے!‘‘

نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کی ضلالت و گمراہی‘ ضد اور ہٹ دھرمی دیکھ کر نہایت رنجیدہ اور غمگین ہوتے تھے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ ابتدا ہی اس حوالہ سے کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ہم ان کے لیے ایسی نشانیاں اتار دیں کہ ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں اور پھر یہ کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔ بڑی سے بڑی نشانی دکھا دینا ہمارے اختیار میں ہے‘ لیکن یہ ہماری حکمت میں نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ آپ کی دعوت اسی قرآن کے ذریعہ سے پھیلے۔ معجزوں اور نشانیوں کے بجائے لوگ اپنی باطنی بصیرت کو کام میں لائیں اور عقل سے حقیقت کو پہچانیں۔ اس اعتبار سے قرآن مجید ہی آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔

دوسرے رکوع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ دوسرے اور تیسرے رکوع میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا جو مکالمہ آیا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ تین رکوع حضرت موسیٰؑ کے حالات پر مشتمل ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے‘ لیکن سورۂ ہود اور سورۃ الحجر کے برعکس یہاں ان کا ذکر حضرت لوط علیہ السلام کے ذکر کے تابع ہو کر نہیں بلکہ آزادانہ (independently) آیا ہے۔ یہاں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر کوئی عذاب نازل ہوا ہو۔ یہ کوئی بڑی مستثنیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ تین اقوام حضرت ابراہیمؑ سے پہلے اور تین آپ کے بعد عذابِ الٰہی کا شکار ہوئیں اور تباہ و برباد کر دی گئیں۔ حضرت

ابراہیم کی قوم نے بھی آپؑ کی دعوت رد کی اور آپ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے' لیکن ان کی قوم کا حشر کیا ہوا اس کا قرآن حکیم میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جب آپؑ اپنی قوم سے معاملہ کر رہے تھے تو آپؑ نے ان کے جھوٹے معبودوں کے بارے میں فرمایا:

{فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾}

''سن لو' یہ سب میرے دشمن ہیں۔ میرا دوست تو بس وہی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی مجھے ہدایت بھی دے گا۔''

انسان کو ہدایت دینا بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے۔ انسان اپنے آپ کو اُس کے قدموں میں لا کر ڈال دے' یعنی اس کے حوالے کر دے' پھر اسے انگلی پکڑ کر راہِ ہدایت پر چلانا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید کہا:

''وہی ہے جو مجھے کھلاتا بھی ہے پلاتا بھی ہے۔ جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے موت بھی دے گا پھر دوبارہ زندہ بھی کرے گا۔ اور وہی ہے جس سے مجھے بڑی اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطائوں سے درگزر فرمائے گا۔ (اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) اے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔ اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ (کہ لوگ میرا نام اچھائی کے ساتھ یاد کریں) اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے ۔ اور میرے والد کو بھی معاف کر دینا' یقینا وہ گمراہوں میں سے تھا۔ اور مجھے اُس دن رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے''۔ (آیات ۷۹-۸۷)

یہ خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا ہے۔ ہدایت بھی طلب کر رہے ہیں اور خطائوں سے معافی کے بھی طلب گار ہیں۔ اپنے آپ کو خطائوں سے مبرا نہیں سمجھ رہے ہیں۔

اس کے بعد ایک ایک رکوع میں حضرات نوح' ہود' صالح' لوط اور شعیب علیہم السلام کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے:

''اے نبی ﷺ! یہ قرآن ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اس کو روح الامین نے (ہمارے حکم سے) عربی مبین میں آپؐ کے قلب پر اتارا ہے' تاکہ آپ خبردار کرنے والوں میں ہو جائیں۔ اور اس کا ذکر اگلے صحیفوں میں بھی ہے..... اور اس قرآن کو (ان کے کہنے کے مطابق) شیاطین (یا جنات) لے کر نہیں اترے ۔ وہ نہ اس قابل ہیں اور نہ ان کے اندر یہ استطاعت ہے ۔ ان کو تو وحی کی سماعت سے بھی روک دیا گیا ہے۔ پس آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارنے لگنا ورنہ آپ بھی مبتلائے عذاب کیے جانے والوں میں ہو جائیگے۔ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے اور ان اہل ایمان کے

لیے جو آپ کا اتباع کر رہے ہیں اپنے بازئوں کو جھکا کر رکھیے۔ اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو اُن سے اعلانِ براء ت فرما دیجیے۔ اور توکل کیجیے اُس خدا پر کہ جو زبردست ہے' رحم فرمانے والا ہے۔ آپ اس کی نگاہ میں ہوتے ہیں جب آپ کھڑے ہوتے ہیں رات کے وقت' اور یہ جو آپ نمازیوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ یقینا وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا میں تمہیں آگاہ کروں کہ شیاطین کن پر اُترتے ہیں؟(یہ پاک باز لوگوں پر نہیں اترتے بلکہ) اترتے ہیں ہر افترا پرداز گناہگار پر (جیسے مکھی گندگی پر بیٹھتی ہے)۔ کچھ سنی سنائی باتیں القا کر جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ (یہ لوگ آپ کو شاعر اور قرآن کو شعر کہتے ہیں' حالانکہ) شعراء کی پیروی کرنے والے تو اکثر بدکردار لوگ ہوتے ہیں۔ (اس کے برعکس آپ کے پیروکار تو انتہائی باکردار اور اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں۔) کیا تم نے شاعروں کو نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں ہوتے ہیں(اپنے کلام میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں) اور یہ کہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں (ان کے قول و فعل میں تو بڑا تضاد ہوتا ہے)۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور انتقام لیا بھی تو اس کے بعد لیا جب ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب ان ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے (اور وہ کس انجام سے دوچا رہوں گے۔)'' (آیات ۱۹۲۔۲۲۷)

سُورۃُ النَّمل

سورۃ النمل سات رکوعوں پر مشتمل ہے۔ آغاز حروفِ مقطعات ''طٰسٓ'' سے ہورہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

{طٰسٓ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيۡنٍ ۙ﴿ ۱ ﴾ هُدًى وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿ ۲ ﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ﴿ ۳ ﴾}

''ط س ۔ یہ قرآن حکیم اور کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہدایت اور بشارت ہے

اہل ایمان کے حق میں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

آگے فرمایا کہ اس کے برعکس جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم ان کے لیے ان کے اعمال دنیا میں مزین کردیتے ہیں اور پھر وہ اسی راستے پر اندھا دھند چلتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے بدترین سزا ہے اور آخرت میں یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ اور اے نبیؐ! یہ قرآن جو آپ کو دیا جارہا ہے ایک حکیم اور علیم ہستی کے پاس سے آرہا ہے۔

اس کے بعد رکوع کا کچھ حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں آخری آیت بہت اہم ہے' جس میں فرعون اور آلِ فرعون کے بارے میں فرمایا گیا:

{وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾}

''اور انہوں نے (موسیٰؑ کی رسالت اور ان کے معجزات کا) انکار کیا ظلم اور تکبر کے مارے' حالانکہ ان کے دل اس کے قائل ہو چکے تھے۔ تو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا ان مفسدوں کا!''

اگلے دو رکوعوں میں حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر آیا ہے اور خصوصاً حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ قرآن حکیم جو واقعات بیان کرتا ہے ان کا تذکیری پہلو خاص طور سے اُجاگر کرتا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے اور ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو' اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ' کہیں حضرت سلیمان کا لشکر تمہیں کچل نہ دے' تو وہ متبسم ہوئے کہ انہوں نے چیونٹیوں کی بات کو سمجھ لیا اور فوراً بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرا شکر ادا کر سکوں اُن انعامات پر جو تو نے مجھے اور میرے والد کو عطا فرمائے اور میں نیک عمل کر سکوں کہ جن سے تو راضی ہو جائے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما!

پھر جو خط حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ملکہ سبا کو بھیجا گیا تھا' اس کے بارے

میں ملکہ اپنے دربار میں اپنے سرداروں سے مخاطب ہو کر بتا رہی ہے کہ مجھ پر ایک بہت باعزت خط ڈالا گیا ہے۔ یہ خط سلیمانؑ کی جانب سے ہے اور اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے جو رحمن و رحیم ہے۔ ملکہ سبا کے فہم کا اندازہ اُس کی اس بات سے ہوتا ہے جو اُس نے اہلِ دربار سے کہی کہ جان لو' بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے اندر فساد برپا کرتے ہیں' اس کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو نیچا کر دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی اہم سیاسی ضابطہ ہے کہ جب بھی کوئی حاکم قوم محکوم قوم کو دبانے کے لیے آتی ہے تو قوم کے اعلیٰ طبقات کے افراد کو ذلیل کرتی ہے اور گھٹیا لوگوں کو اُبھارتی ہے۔ پھر حضرت سلیمانؑ نے ملکہ کا تخت اٹھوا لیا جو

پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس پر بھی آپ نے فوراً اپنے رب کی تعریف اور بزرگی بیان کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کیا اور ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت قبول کرلی۔

اگلے رکوع میں حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد مکی سورتوں کے اسلوب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور بہت سی نشانیوں کا ذکر فرمایا اور کفارِ مکہ کی کٹ حجتی اور ضدبیان فرمائی کہ ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی یہ راہِ راست پر آنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کومردوں سے تشبیہہ دیتے ہوئے فرمایا کہ {اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی} ''یقینا آپؐ مردوں کو نہیں سنا سکتے''۔ پھر قیامت کے روز ان کا جو انجام ہو گا اُس کا ذکر کیا گیا۔

آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجیے:

''مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس بستی (مکہ مکرمہ) کے ربّ کی بندگی کروں جس نے اس شہر کو محترم ٹھہرایا ہے اور جو ہر شے کا مالک ہے' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس کے فرمانبرداروں میں سے بن جائوں اور یہ قرآن پڑھ کر سنائوں۔ پھر جس نے ہدایت پائی تو اپنے بھلے کے لیے ہدایت پائی' اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اُس سے کہہ دیں کہ میں تو بس ایک خبردار کر دینے والا ہوں۔اور آپ ان سے کہہ دیں کہ تمام تر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے' وہ عنقریب تمہیں اپنی

نشانیاں دکھائے گا اور تم انہیں پہچان لو گے۔اور تمہارا رب اُن اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو''۔ (آیات ۹۱-۹۳)

سُورۃُ القَصَص

یہ سورۂ مبارکہ نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے چار رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پھر کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں زیادہ تر واقعات جو آپؑ کے بچپن میں پیش آئے اور اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ میں آ چکے ہیں' دوبارہ تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کا اپنا ایک انداز ہے کہ مجرد اعادہ کہیں نہیں ہوتا بلکہ واقعات کے اندر نئے نئے پہلو خصوصاً تذکیر کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ سورۃ الشعرائ' سورۃ النمل اور سورۃ القصص یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے ان تینوں میں ایک قریبی تعلق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کے حالات و

واقعات کے مختلف اجزاء ان سورتوں میں بیان ہوئے ہیں اور باہم مل کر ان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ سورۃ الشعراء میں نبوت کا منصب ملنے کے حوالہ سے حضرت موسیٰ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ قومِ فرعون کے ایک فرد کا قتل میرے ذمہ ہے جس کی وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ وہاں جائوں گا تو قتل کر دیا جائوں گا۔ آگے کی بات وہاں بیان نہیں ہوئی بلکہ اس سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۃ النمل میں بات ایک دم یوں شروع ہوئی کہ حضرت موسیٰ اپنے اہل و عیال کو لے کر جا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ایک آگ دیکھی۔ اس سفر کی کوئی تفصیل اُس سورۃ میں بیان نہیں ہوئی بلکہ وہ اس سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔ اس طرح یہ تینوں سورتیں مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات کو مکمل کر دیتی ہیں۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

{طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾}

''ط س م ۔یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔''

آگے فرمایا:

''ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں موسیٰ اور فرعون کے حالات حق کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو ماننے والے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی

اختیار کی تھی اور اس نے زمین میں بسنے والوں کو گروہوں میں منقسم کر دیا تھا' ایک گروہ کو اُس نے دبا کر کمزور کر رکھا تھا' اُن کے بیٹوں کو قتل کر دیتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ یقینا وہ فسادیوں میں سے تھا۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اُن لوگوں پر احسان فرمائیں جو زمین میں دبا دیے گئے تھے اور انہی کو ہم امامت دے کر زمین کا وارث بنا دیں''۔ (آیات ۳۔۵)

یہ پہلو جو اس سے پہلے اس طرح نہیں آیا اس سورۃ میں خاص طور پر نمایاں ہو کر آیا ہے۔ اِس دور کے حوالے سے بھی یہ ایک اہم بات ہے۔ معاشرہ کے اندر یہ طبقاتی تقسیم غلط نظام کی وجہ سے' خواہ سیاسی اعتبار سے غلط ہو یا معاشی اعتبار سے' پیدا ہو جاتی ہے' جو اس معاشرہ کی بدقسمتی کا بڑا سبب بنتی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری داستان کا یہ پہلو یہاں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ اپنی جان بچا کر مصر سے نکلے اور پورا صحرائے سینا عبور کر کے مدین پہنچے تو وہاں وہ واقعہ پیش آیا کہ کنویں پر چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور دو بچیاں خوف کی وجہ سے دور کھڑی تھیں۔ آپ نے آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا اور پھر درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ وہاں آپ کی نہ تو کوئی جان پہچان تھی اور نہ ہی آپ کے پاس کوئی سرمایہ تھا' بالکل لاچاری کی کیفیت تھی۔ ایسے میں آپؑ نے اپنے رب سے جن الفاظ میں دعا کی وہ ہر شخص کو یاد کر لینے چاہئیں:

{رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ﴿۲۴﴾}

''پروردگار! تو میری جھولی میں جو خیر بھی ڈال دے میں اس کا محتاج ہوں۔''

یہ گویا ایک انسان کی احتیاج کی انتہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات وواقعات بیان کرنے کے بعد پانچویں رکوع میں فرمایا کہ یہ تو آپ کے رب کی رحمت ہے کہ ہم آپ کو ان تمام حالات سے مطلع کر رہے ہیں تاکہ آپ اُن لوگوں کو متنبہ کریں جن کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا۔

پھر چھٹے رکوع میں اہل کتاب میں سے ایمان لے آنے والوں کے بارے میں

فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایمان لانے سے قبل یہودی تھے۔ فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے دُہرا اجر دیا جائے گا۔ وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی لغوبات سنتے ہیں تو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل، تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔'' (آیات ۵۴۔۵۵)

اس کے بعد یہ آیت آئی ہے:

{اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۵۶﴾}

''(اے نبی ﷺ) آپ کے اختیار میں نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں ہدایت دے دیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

آٹھویں رکوع میں قارون کا ذکر آیا ہے جس کو اللہ نے اتنے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کو اٹھانے کے لیے طاقتور لوگوں کا ایک گروہ درکار ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا، لیکن اپنی قوم کا غدار اور فرعون کے دربار میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھا۔ ایک دفعہ جب وہ اتراتا ہوا باہر نکلا تو اُس سے اس کی قوم نے کہا کہ اس طرح مت اترائو، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور یہ جو مال اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔ اور جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم بھی اوروں کے ساتھ احسان کرو اور ملک میں فساد برپا کرنے کا خواہاں نہ ہو، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس پر قارون کہنے لگا کہ یہ مال و دولت تو مجھے میری ذاتی ہنرمندی اور علم کی وجہ سے ملا ہے۔

اُس کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ کا تبصرہ یہ ہے:

''کیا اسے یہ علم نہ تھا کہ اس سے پہلے اللہ بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس

سے کہیں زیادہ قوت رکھتی تھیں اور ان کے پاس مال و دولت بھی اس سے زیادہ تھا؟ اور (جب اللہ کے عذاب کا کوڑا برستا ہے تو) مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔'' (آیت ۷۸)

بالآخر قارون کا جو عبرت ناک انجام ہوا اس کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا:

{فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۠ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿ ۸۱ ﴾}

''پس ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ تو کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی اس قابل تھا کہ بدلہ لے سکے۔''

آخری رکوع کے آغاز میں یہ آیت آئی ہے:

{تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿ ۸۳ ﴾}

''یہ آخرت کا گھر تو ہم نے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو دنیا میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور اچھا انجام تو متقیوں ہی کے لیے ہے۔''

سورۂ مبارکہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

{وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿ ۸۸ ﴾}

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہ پکارو۔ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر شے فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔ اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔''

سُورۃُ العَنکبُوت

جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی اس وقت مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور اسلام کی مخالفت پورے زور و شور سے کی جا رہی تھی۔ یہ

مسلمانوں پر بڑے شدائد و مصائب اور ابتلا کا دور تھا۔ اس اعتبار سے میرے نزدیک یہ سورۃ قرآن حکیم کی اہم ترین سورۃ ہے کہ جب دعوتِ اسلامی' تحریک ِاسلامی دورِ ابتلا میں ہو' اُس پر تشدد کیا جا رہا ہو' اُس کے کارکن اور وابستگان آزمائشوں سے دوچار ہوں تو ایسی صورت میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا حل کیا ہے؟ اس ضمن میں اللہ کی طرف سے رہنمائی کیا ہے؟ علاوہ ازیں ایسے مشکل اور کٹھن حالات میں کن چیزوں سے قوت حاصل کی جا

سکتی ہے؟ ایک بندۂ مؤمن اپنے لیے صبر اور سہارا کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

یہ تو سب جانتے ہیں کہ مخالفت اور استہزا تو نبی اکرم ﷺ کے آغازِ دعوت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا‘ لیکن شروع میں یہ چیزیں زبانی کلامی رہیں۔ کبھی کسی نے شاعر کہہ دیا‘ کبھی پاگل کہہ دیا‘ کسی نے ساحر اور کسی نے مسحور کے فقرے چست کر دیے‘ کبھی مجنون کہہ دیا گیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کسی اور سے dictation لیتے ہیں اور ہم پر دھونس جماتے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کو بار بار صبر کی تلقین کی جاتی رہی۔ جیسے سورۃ المزمل میں فرمایا:{وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاہْجُرْہُمْ ہَجْرًا جَمِیْلًا ﴿۱۰﴾}’’اے نبی یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے اور اُن سے لاتعلقی اختیار کیجیے خوبصورتی کے ساتھ‘‘۔اس لیے کہ انہی کو دعوت دینی ہے اور راہِ راست پر لانا ہے تو لاتعلقی اس طریقہ سے ہونی چاہیے کہ رابطہ نہ ٹوٹے‘ پھر بات کرنے کا موقع تو رہے۔ سورۃ الحجر میں فرمایا گیا: ’’اے نبی ‘ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اُس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے‘ لیکن بہرحال آپ اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے اور اس کی جناب میں سجدے کرتے رہیے۔ اور اپنے ربّ کی بندگی میں لگے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔‘‘ (آیات ۹۷-۹۹)

تقریباً چار برس تک یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا۔ لیکن اس کے بعد کفار و مشرکین نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے زبانی کلامی بند باندھنے سے تو یہ دعوت نہیں رک رہی‘ بلکہ بات آگے پھیل رہی ہے۔ خصوصاً معاشرہ کے دو طبقات اس دعوت سے زیادہ متأثر ہو رہے تھے۔ ایک تو غلاموں کا طبقہ کہ وہ پسے ہوئے تھے ۔ انہیں اس میں یہ اُمید کی کرن

نظر آتی تھی کہ اگر یہ دعوت پھیلتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے تو شاید ہمارے ساتھ بھی انسانوں کا سا سلوک ہونے لگے اور ہمیں بھی کوئی انسانی حقوق حاصل ہو جائیں۔ دوسرے نوجوانوں کا طبقہ اس دعوت سے زیادہ متأثر ہو رہا تھا۔ نوجوانوں کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں ابھی بڑوں کے مقابلہ میں مصلحت اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ جب کوئی بات سمجھ میں آگئی تو اسے قبول کرنا اور اس کے لیے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو جانا جوشِ جوانی کا تقاضا ہے۔ جس بات کے حق ہونے پر ان کا دل ٹھک جائے تو وہ اس کے لیے جان و مال کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان دو طبقات میں دعوت پھیلنے اور لوگوں کے ایمان لانے سے کفار و مشرکین گھبرا گئے۔ لہٰذا اب انہوں نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے تشدد (persecution)کا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ نوجوان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مارا پیٹا گیا اور انہیں گھروں میں بند کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُن کے چچا نے ایک چٹائی میں لپیٹ کر اس طرح دھونی دی کہ دم نکلنے کے قریب ہو گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے مرن برت رکھ لیا کہ اگر سعد اپنے باپ کے دین میں واپس نہیں آتا تو نہ کھائوں گی نہ پیوں گی اور اپنے آپ کو ہلاک کر لوں

لی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اُن کے چچا نے مادر زاد برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا۔ یہ وہ سلوک تھا جو قریش کے اعلیٰ گھرانوں کے چشم و چراغ نوجوانوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ جبکہ جو کچھ حضرات بلال' خباب بن الارت' آل یاسر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر غلاموں اور کمزور لوگوں کے ساتھ ہو رہا تھا اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ان حالات میں بعض حضرات کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر ہم پر یہ دورِ ابتلا کب تک جاری رہے گا؟ یہ سختیاں کب ختم ہوں گی اور اللہ کی مدد کب آئے گی؟ چنانچہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اُس وقت آپؐ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں چادر کا تکیہ بنائے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا حضور آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے کہ ہماری مصیبتوں کا یہ سلسلہ ختم ہو؟ اب تو یہ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔

اس پر آپؐ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا۔ آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''تم لوگ جلدی مچا رہے ہو۔ ابھی تو تم پر وہ حالات آئے ہی نہیں جو تم سے پہلوں پر بیت چکے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایمان لانے والوں میں سے کسی کو لا کر اس کا آدھا جسم زمین میں دبا دیا جاتا تھا اور پھر سر پر آرا رکھ کر دو ٹکڑوں میں چیر دیا جاتا تھا۔ اہل ایمان کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ لوہے کے کنگھوں سے ان کی ہڈیوں پر سے گوشت کو کھرچ دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم وہ دن آ کر رہے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے اللہ کے کسی کا ڈر نہ ہو گا''۔ یہ وہ حالات تھے جن میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا حدیث نبویؐ کا جو انداز ہے وہی انداز اس سورۃ کی ابتدائی آیات کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ابھی سے گھبرا کیوں گئے ہیں' ابھی تو بہت کچھ آنے والا ہے۔ فرمایا:

{الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۫ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾}

''ال م۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ اور ہم نے تو ان لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (اور جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا تھا) پس اللہ ضرور کھول کر رکھ دے گا اُن کو جو صادق الایمان ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹ موٹ کے مدعیٔ ایمان بنے ہوئے ہیں۔''

اگلی آیت میں اہل ایمان کی دلجوئی کا انداز ہے کہ ''کیا وہ لوگ جو برے کام کر رہے ہیں (ہمارے اِن بندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں) سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے؟ بہت بری رائے ہے جو انہوں نے

قائم کی ہے''۔ مزید فرمایا کہ ''جو کوئی بھی (یہ سب کچھ جھیل رہا ہے اور) اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو (اس کو مطمئن رہنا چاہیے کہ) اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے''۔ ہمارے یہ نیک بندے جب سختیاں جھیل کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے تو اپنے خلوص و اخلاص اور احسان کا بدلہ پائیں گے' اُن کو

خلعتوں سے نوازا جائے گا۔ آگے پھر ذرا ڈانٹ کا انداز ہے کہ تم یہ مت سمجھنا کہ تم اللہ پر کوئی احسان کر رہے ہو بلکہ ''جو کوئی بھی جہاد کرتا ہے تو جہاد کرتا ہے اپنے لیے''۔ اس کا فائدہ اور نفع اسی کے لیے ہے' اس کی اپنی عاقبت سنورے گی۔ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے''۔ دیکھئے سارا مضمون کس طرح مربوط ہے اور ترغیب و ترہیب دونوں کو اس میں سمو دیا گیا ہے۔ دو آیات ذرا ڈانٹ کے انداز میں آئیں' پھر دو آیات میں دلجوئی کا انداز ہے' پھر ایک آیت میں ذرا جھنجھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر ایک اُمید بھری آیت ہے: ''جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ہم لازماً اُن سے ان کی برائیوں کو دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا بہت عمدہ بدلہ دیں گے۔'' (آیات ۴ تا ۷)

اس کے بعد خاص طور پر وہ نوجوان جن پر ان کے والدین کی طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا' ان کے حوالہ سے ارشاد ہوا: ''ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی ہے حسنِ سلوک کی۔ لیکن اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے تو اُن کی بات مت مانو۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے' پھر میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ہم ان کو داخل کریں گے صالحین میں''۔ (آیات ۸' ۹) کس پیارے انداز میں نوجوانوں کو کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس وجہ سے اپنے اہل و عیال' والدین' بھائی بندوں' رشتہ داروں سے کٹ جائو اور علیحدہ ہو جائو تو ڈرو اور گھبرائو نہیں' ہم تمہیں ان سے بہتر معیت عطا فرمائیں گے۔

اس کے بعد ایک نہایت اہم آیت آئی ہے۔ جیسے کہ سورۃ الحج کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے اسی طرح کا یہ مقام بھی ہے:

{وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ...}

''لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ پر' پھر جب ان کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے

عذاب کی طرح سمجھتے ہیں۔ اور (اے نبیؐ) اگر آپ کے ربّ کی جانب سے مدد آجائے تو یہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو آپ ہی کے ساتھ تھے۔ تو کیا اللہ خوب واقف نہیں ہے اُس سے جو کچھ لوگوں کے سینوں میں ہے؟ اور وہ تو بالکل کھول کر رکھ دے گا کہ کون واقعی صاحبِ ایمان ہے اور کون منافق ہے۔'' (آیات ۱۰۔۱۱)

کچھ بزرگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں اور نوجوانوں کو بڑے ناصحانہ انداز میں کہتے ہیں کہ کس کے پیچھے لگ گئے ہو' تم ناسمجھ ہو' اپنا کیریئر داؤ پر لگا رہے ہو' اپنے بڑوں کے راستے پر ہی چلو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ کے ہاں تمہاری پکڑ ہوجائے گی تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں' تمہارے گناہوں کا بوجھ بھی ہم اٹھاتے ہیں اور تمہاری طرف سے جواب بھی ہم دیں گے۔ فرمایا گیا کہ ''ایسے لوگ اپنے بوجھ تو قیامت کے دن لازماً اُٹھائیں گے ہی' اُس کے ساتھ مزید اضافی بوجھ بھی انہیں اُٹھانے پڑیں گے۔ اور قیامت کے دن اُن سے لازماً اُن افترا پردازیوں کے متعلق پوچھا جائے گا جو وہ کرتے رہے ہیں''۔(آیت ۱۳) سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کی یہ تیرہ آیات میرے علم کی حد تک اس موضوع پر قرآن حکیم کا نقطۂ عروج ہیں۔

اگلے تین رکوعوں میں کچھ انباء الرسل بیان ہوئے ہیں' لیکن ان حضرات کی دعوت کے حوالہ سے صرف وہ پہلو بیان ہوئے ہیں جو اس سورۂ مبارکہ کا اصل مضمون ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر صرف اس حد تک آیا کہ ''ہم نے نوح کو بھیجا اس کی قوم کی طرف تو وہ انہیں ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتا رہا''۔ یعنی اصل میں اشارہ کیا جارہا ہے کہ مسلمانو تم ابھی سے گھبرا گئے ہو' ہمارے بندے نوحؑ کو یاد کرو جو ساڑھے نو سو برس استہزا و تمسخر برداشت کرتے ہوئے دعوت دیتا رہا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ کیسے کیسے مسائل سے گزرے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قول میں ایک بڑی اہم حقیقت بیان فرمائی گئی:

{وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ} (آیت ۲۵)

''اور (ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بھی) کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود ٹھہرالیا ہے تو یہ تمہارے مابین محبت و مودّت کی وجہ سے ہے۔''

نفسیاتی اعتبار سے یہ بات بڑی اہم ہے۔ بسا اوقات ایک شخص مان لیتا ہے کہ میں جس جماعت یا گروہ سے وابستہ ہوں اس کے نظریات درست نہیں ہیں' لیکن محض دوستیوں اور رشتہ داریوں کی بنا پر ان کے ساتھ منسلک رہتا ہے۔ اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ پھر فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دینے کا تذکرہ ہے۔ پھر مدین کی طرف ان کے بھائی حضرت شعیب

علیہ السلام کی بعثت اور عاد و ثمود‘ قارون‘ فرعون اور ہامان کا ذکر ہے۔ اسی سیاق میں وہ بہترین تمثیل بھی آئی ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر لوگ جن کو اپنے پشت پناہ اور مددگار بناتے ہیں ان کا معاملہ اس مکڑی کی مانند ہے جو جالا بنتی ہے تو اسے بڑا مضبوط گھر سمجھتی ہے‘ حالانکہ گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی عقائد کے ایسے تانے بانے بن لیتے ہیں اور اُنہی کے اندر بیٹھے رہتے ہیں۔

آخری تین رکوعوں میں اہل ایمان کو عملی اعتبار سے ہدایات دی گئی ہیں کہ ایسے حالات میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں پانچویں رکوع کی پہلی آیت (جہاں سے اکیسویں پارے کا آغاز ہو رہا ہے) بہت اہم ہے:

{اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿ ۴۵ ﴾}

’’(اے نبی ﷺ!) تلاوت کرتے رہو اُس کتاب کی جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز کو قائم رکھو‘ بلاشبہ نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔‘‘

ان حالات میں صبر و استقامت اور ثبات کے لیے سب سے اہم چیز اللہ کی یاد ہے۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو قدم جمے رہیں گے‘ کسی مصیبت سے ہراساں نہ ہو گے۔ اللہ کو یاد رکھو گے تو اُسے ہر وقت اپنے ساتھ پاؤ گے۔ آگے فرمایا کہ اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر بہترین طریقے

پر‘ سوائے ان کے جو مخالفت کا ادھار کھائے بیٹھے ہوں اور بات سننے کو تیار ہی نہ ہوں...

اس کے بعد چھٹے رکوع میں ایک نہایت اہم آیت آئی ہے جس میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ اس سے قبل سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ النحل میں ہجرت کا ذکر آچکا ہے‘ لیکن ترتیب نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید میں یہ اس اعتبار سے پہلا مقام ہے۔ ارشاد ہوا:

{یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿ ۵۶ ﴾}

’’اے میرے بندو جو مجھ پر ایمان لائے ہو‘ میری زمین بڑی کشادہ ہے‘ پس میری ہی بندگی کرو۔‘‘

یعنی اگر میری بندگی کرتے ہوئے جینا ممکن نہ رہے تو اس زمین کو چھوڑ دو‘ اللہ تمہیں اور جگہ مہیا کر دے گا۔

ساتویں رکوع کے آغاز میں وہی مضمون دہرایا گیا ہے کہ مصائب و شدائد برداشت کرنے والوں کے لیے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ تمہارا اصل گھر وہی آخرت کا گھر ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا ٹھکانہ ہے۔ یہاں کی بڑی سے بڑی مشکل بھی آج نہیں تو کل آسان ہو ہی جائے گی۔ آخر میں جو لوگ ان مصائب کا شکار ہیں اور اللہ کے راستے میں مشقتیں اٹھا رہے ہیں اُن کے لیے بہت ہی اُمید افزا بات فرمائی گئی ہے:

{وَ الَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۶۹﴾} ''وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم لازماً اپنے راستوں کی طرف اُن کی رہنمائی کریں گے۔ اور یقینا اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔''

سُورۃُ الرُّوم

یہ سورۂ مبارکہ چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ سورۃ الانعام اور سورۃ النمل سے بہت مشابہ ہے۔ اس کے بالکل آغاز میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے وہ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اور محمد ﷺ کا اللہ کے رسول برحق ہونے کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے۔ اس حوالے سے تاریخی واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ

کی بعثت مبارکہ سے کئی سو سال قبل سے عرب کے شمال میں سلطنت ِروما اور سلطنت ِفارس (ایران) دو عظیم طاقتیں (super powers) تھیں' جن کے مابین ہمیشہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ حضور ﷺ کے مکی دور کے درمیانی زمانہ میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں کو زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اُس وقت مکہ کی سرزمین پر حق و باطل کی جو کشمکش ہو رہی تھی اُس پر اِس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مکہ کے مشرکین نے بغلیں بجانی شروع کر دیں۔ اس لیے کہ رومی عیسائی اہل کتاب تھے جبکہ ایرانی مجوسی یعنی آگ کے پجاری تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کو چڑایا کہ دیکھو جن سے تمہیں کوئی نسبت ہے' یعنی رومی عیسائی اہل کتاب' ان کو شکست ہو گئی ہے اور جن سے ہماری کوئی نسبت ہے یعنی ایرانی مجوسی ان کو فتح حاصل ہوئی ہے۔ اس سے اہل ایمان کو کچھ افسردگی ہوئی۔ چنانچہ ان حالات میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی' جس میں اہل ِروم کے غالب ہونے کی پیشین گوئی کی گئی۔ ارشاد ہوا:

{الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۙ﴿۳﴾} ''ا ل م ۔ رومی قریب کی سرزمین (شام) میں مغلوب ہو گئے ہیں' لیکن یہ اس کے بعد عنقریب دوبارہ غالب آ جائیں گے۔''

ان دونوں حکومتوں کے درمیان شام و عراق کا علاقہ ہی میدانِ جنگ بنتا تھا' کبھی ایرانی رومیوں سے اس کو چھین لیتے تھے اور کبھی رومی آگے بڑھ کر ایرانیوں سے یہ علاقہ چھین لیتے تھے۔ {فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ} ''چند ہی سالوں میں۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی''۔{ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ} ''اُس دن اہل ِایمان بہت خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے''۔{یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵﴾}''وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ وہ زبردست اور رحیم ہے''۔ {وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ} ''یہ اللہ کا وعدہ ہے''۔{لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾}''اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ یہ جانتے نہیں''۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نو سال بعد ہرقل نے ایرانیوں کو غیر متوقع عظیم شکست

سے دوچار کیا۔ اور یہ عین وہی موقع ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کفار پر میدانِ بدر میں فتح مبین عطا فرمائی۔ یوں اہل ایمان کے لیے یہ دہری خوشی تھی۔

آگے بڑی پیاری آیت ہے:

{یَعۡلَمُوۡنَ ظَاہِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ وَ ہُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۷﴾}

''وہ دنیا کے صرف ظاہری پہلو کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔''

اگلی آیات میں ان غافلین کو مختلف انداز میں تنبیہہ کی جا رہی ہے:

''کیا انہوں نے کبھی اپنے دل میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' برحق اور ایک وقت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے؟ مگر بہت سے لوگ اپنے ربّ کی ملاقات کے منکر ہیں۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں اپنے سے پہلے والوں کا انجام نظر آتا؟ وہ لوگ ان سے قوت میں بھی کہیں بڑھ کر تھے اور انہوں نے زمینیں بھی جوتی تھیں اور زمین کو جس قدر اِن لوگوں نے آباد کیا ہے اس سے بہت زیادہ اُن لوگوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے ۔ پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے مگر انہوں نے (نہ مان کر) خود اپنے اوپر ظلم کیا۔'' (آیات ۸ تا ۱۰)

اس حوالے سے اگر آج ہم اپنا تجزیہ کریں تو ہم بھی غافلین ہی میں شامل نظر آتے ہیں' اگرچہ ہم آخرت کو عقیدہ کے طور پر مانتے ہیں لیکن ہماری تمام سعی وجہد اور بھاگ دوڑ صرف اس دنیا ہی کے لیے ہے۔

آیات ۱۵ اور ۱۶ میں مؤمنین اور کافرین کے انجام کا تقابل کے انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ باغات میں ہوں گے اور ان کی خوب آئو بھگت ہوگی۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا وہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔''

آیات ۱۷ اور ۱۸ میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے۔ فرمایا:

''پس پاکی بیان کرو اللہ کی شام کے وقت (مغرب وعشائ) 'صبح کے وقت

(فجر)‘ ... پچھلے پہر (عصر) اور دوپہر کے وقت (ظہر)۔‘‘

ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ ’’آفتاب‘‘ عالم اَجسام کا سب سے روشن کرہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو‘ اسی بنا پر ستارہ پرستوں نے اسے ’’معبودِ اکبر‘‘ قرار دیا تھا۔ ان مذکورہ پانچ اوقات میں آفتاب کے عجز و بیچارگی کا کھلا مظاہرہ ہوتا ہے۔

سورت کے تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درج ذیل نشانیوں کا تذکرہ فرمایا گیا: (۱) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنا (۲) بنجر زمین کو قابل کاشت بنانا (۳) انسان کو مٹی سے پیدا کرنا (۴) انسان کا اسی کی قسم سے جوڑا بنانا اور آپس میں محبت و الفت ڈالنا (۵) آسمانوں اور زمین کا بنانا (٦) رات دن کا بنانا (دن کو روزی کی تلاش اور رات کو نیند کے لیے) (۷) آسمان سے بارش برسانا (۸) زمین و آسمان کو اپنے حکم سے کھڑا کرنا۔ ان نشانیوں کے تذکرے کے بعد فرمایا: {وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَ ہُوَ اَہۡوَنُ عَلَیۡہِ ؕ} ’’اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا اور وہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ (دوبارہ لوٹانا) اس پر زیادہ آسان ہے‘‘۔ یہ فرما کر منکرین آخرت کے منہ بند کر دیے جو دوبارہ لوٹائے جانے کے انکاری تھے۔ (آیات ۱۹ تا ۲۷)

چوتھے رکوع میں ایک نہایت اہم مضمون آیا ہے کہ دین اسلام ہی دین فطرت ہے‘ اس میں کوئی غیر فطری قدغن نہیں لگائی گئی ہے۔ اوّلاً حضور ﷺ کو اور آپؐ کے توسط سے تمام اہلِ ایمان کو مخاطب کیا گیا کہ یکسو ہو کر اپنے چہرے کو اللہ کے دین کی طرف سیدھا رکھو‘ اِدھر اُدھر نہ بھٹکو۔ یہی دین قیم ہے‘ لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہو‘ اُسی کا تقویٰ اختیار کرو۔ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقہ بندی اور گروہ بندی کا شکار ہو گئے ۔ (آیات ۳۰ ۔ ۳۱)

سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ مضمون آیا کہ ان کے مطالبہ پر ہم اگر ان کو کوئی نشانی دکھا بھی دیں تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں

رکھتے‘ مہر کر دیا کرتا ہے۔ اور اے نبی ﷺ ! آپ صبر کیجیے‘ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے‘ کہیں آپ کو ہلکا اور کمزور نہ کر دیں۔ لہٰذا پوری قوت کے ساتھ جمے رہیے اور دعوت دیتے رہیے۔ (آیات ۵۸ تا ٦۰)

سُورۃ لُقمان

سورۂ لقمان چار رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات سے کافی مشابہت رکھتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کے شروع میں {ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾} اور یہاں {ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ ۙ﴿۳﴾} فرمایا ۔ وہاں تقویٰ کا ذکر ہے اور یہاں احسان کا جو ایک بلند تر مقام ہے۔ تقویٰ کی حیثیت بنیاد کی ہے۔ فرمایا کہ یہ محسنین نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر فی الواقع یقین رکھتے ہیں۔ یعنی ایمان بالآخرۃ صرف عقیدہ کے طور پر نہ ہو بلکہ سیرت و کردار میں یہ تمام صفات موجود ہوں تبھی آخرت پر حقیقی ایمان موجود ہو گا۔ ان کے بارے میں فرمایا: ''یہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔'' (آیات ۱تا۵)

آیت ٦ ہمارے دور کے لحاظ سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ کلچر کے نام پر شیطان نے رقص و سرود اور ان جیسی نمعلوم کتنی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کا مقصد انسان کو ان مشاغل میں اس طرح مصروف رکھنا ہے کہ کبھی اللہ کی طرف اس کا دھیان ہی نہ ہو۔ ارشاد ہوا:

{وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ۖ وَّ یَتَّخِذَہَا ہُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۶﴾}

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لہو و لعب کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور بن۔ سمجھے (اللہ کے دین اور اس کے راستہ کو) ہنسی مذاق بناتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے رسوا کن

عذاب ہے۔'' *

اس سورۃ کا دوسرا رکوع بہت اہم ہے جس میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت بیان ہوئی ہے ۔ یہ رکوع ہمارے ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' میں بھی شامل ہے۔ حضرت لقمان نہ تو نبی تھے نہ رسول اور نہ ہی کسی نبی کے اُمتی تھے' بلکہ ایک سلیم الفطرت انسان تھے۔ سورۃ الروم میں ہم نے پڑھا کہ یہ دین دین فطرت ہے۔ چنانچہ سلیم الفطرت اور سلیم العقل شخص اپنے غور و فکر کے نتیجے میں اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کی دعوت اللہ کا کوئی پیغمبر دیتا ہے۔ اس کی گواہی اور مثال کے طور پر حضرت لقمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

{وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۱۲﴾ وَ اِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِہٖ وَ ہُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۳﴾}

''اور ہم نے لقمان کو حکمت اور دانائی عطا فرمائی تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے ۔ (معلوم ہوا کہ حکمت اور

دانائی وہی ہے جس کے نتیجے میں اللہ کے شکر کی کیفیت پیدا ہو۔) اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا ہے' اور جو کوئی کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی اور حمید ہے (وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے)۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا' یقینا شرک بڑی ہی ناانصافی اور بہت بڑا ظلم ہے۔''

آیات ۱۴-۱۵ کا پس منظر یہ ہے کہ اُس وقت مؤمنین کو اپنے آباء و اَجداد کی جانب سے سخت دباؤ کا سامنا تھا کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ آئو جو درحقیقت شرک پر مبنی تھا۔ اس حوالے سے وصیت کی گئی کہ اپنے والدین اور خصوصاً ماں سے حسن

---

* ''لھو الحدیث'' کی تعریف حضرت حسن بصریؒ سے یوں منقول ہے : کل ما شغلک عن عبادة الله وذکره من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوها یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو' مثلاً فضول قصہ گوئی' ہنسی مذاق کی باتیں' واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ۔

سلوک کرو۔ آگے فرمایا: ''اور اگر وہ (والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرا شریک مان اس کو جو تجھے معلوم نہیں 'تو ان کا کہنا مت مان ' البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ' اور چل اُس شخص کے طریق پر جو میری طرف رجوع کیے ہوئے ہو۔''

آیات ۱۷ تا ۱۹ میں ایک باپ (حضرت لقمان) اپنے بیٹے کو چند باتوں کے بجا لانے اور چند باتوں سے دور رہنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ اوامر و نواہی آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ فرمایا:

''اے بیٹے نماز قائم کر' اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور مصائب پر صبر کر کہ یہ کام باہمت لوگوں کا ہے۔ اپنے گال لوگوں کے لیے مت پھلا (یعنی تکبر مت کر) اور زمین میں اکڑ کر مت چل کہ اللہ کو کوئی متکبر اور اترانے والا پسند نہیں۔ اپنی چال درمیانی رکھ اور اپنی آواز پست رکھ' یقینا بری سے بری آواز گدھے کی ہے (کیونکہ وہ گلا پھاڑ کے آواز نکالاتا ہے)۔''

آیت ۳۳ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے دن والدین اور اولاد ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے:

{یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ ہُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا

تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۳۳﴾}

''اے لوگو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس دن سے ڈرتے رہو کہ جس دن نہ کوئی اولاد اپنے والد کے کام آسکے گی اور نہ والد اپنے اولاد کے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے' پس دیکھنا کہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے' اور وہ بہت بڑا دھوکہ باز (یعنی شیطان) تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کر دے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن کی اہم ترین آیات میں سے ایک ہے۔ اس میں پانچ چیزوں کا تذکرہ ہے جن کا کلی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ احادیث میں ان مذکورہ پانچ چیزوں کو ''مفاتیح الغیب'' فرمایا گیا ہے:

{اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ ۚ وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ وَمَا

وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴿۳۴﴾}

''یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور وہی بارش برساتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم مادر میں ہے۔ اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہے کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہو گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

موجودہ دور میں اس حوالے سے ایک اشکال پیدا ہوا ہے کہ جینیٹک سائنس اس درجہ ترقی کر گئی ہے کہ قطعیت و حتمیت کے ساتھ اب یہ پیشین گوئی کرنا ممکن ہو گیا ہے کہ رحمِ مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اب تک اس آیت کا مفہوم جو لوگوں کے ذہنوں میں رہا ہے وہ واقعی یہی تھا کہ ان پانچ باتوں کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب اگرچہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ جینیٹک سائنس کی پیشین گوئی سو فیصد یقینی نہیں ہوتی' لیکن اصل بات جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں 'وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ مذکورہ بالا پانچ چیزوں میں سے تین کو تو اُس نے مثبت طور پر (positively).بیان کیا ہے کہ اِن اِن چیزوں کا علم اللہ کو ہے' لیکن دو چیزوں کے بارے میں دوٹوک انکار (Categorically deny) کیا ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ یہ جو اسلوبِ بیان کا فرق ہے میرے نزدیک یہی قرآن کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ وہ دو چیزیں یہ ہیں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہو گی --- ان دو باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ باقی جو چیزیں مثبت انداز میں بیان ہوئی ہیں کہ اِن اِن چیزوں کا علم اللہ کو ہے' اس میں لازماً وہ نص قطعی نہیں آتی کہ کسی اور کو ان کا علم نہیں ہے۔

سُورۃُ السَّجۡدَۃ

یہ سورۂ مبارکہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانہ نزول مکہ مکرمہ کا تقریباً وسطی دور ہے۔ اس کے پس منظر میں ظلم و ستم کی وہ شدت نظر نہیں آتی جو گزشتہ دو سورتوں میں

نظر آتی ہے۔

قرآن کریم کی دو سورتیں اپنے اسلوب کے اعتبار سے منفرد ہیں' ایک سورۃ یٰسین اور دوسری سورۃ السجدۃ۔ ان کا انداز ایسا ہے جیسے دل کی دھڑکن ہوتی ہے اور یہ دونو سورتیں متحرک معلوم ہوتی ہیں ۔ ان کی آیات اور مضامین باہم اس قدر مربوط اور جڑے ہوئے ہیں کہ کسی ایک آیت کو علیحدہ رکھ کر سمجھنا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس سورۂ مبارکہ سے خاص تعلق تھا اور جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آپؐ بالعموم اسی سورۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورۃ کا موضوع توحید' آخرت اور رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات کو رفع کرنا اور ان تینوں حقیقتوں پر ایمان کی دعوت دینا ہے۔

سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

{الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ ﴿۲﴾}

''ا ل م ۔ اس کتاب کا اتارا جانا بلاشبہ اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے ۔''

آگے فرمایا:

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کتاب کو اس شخص (یعنی محمد ﷺ) نے گھڑ لیا ہے؟ (نہیں' اے پیغمبر ﷺ !) بلکہ یہ حق ہے آپؐ کے پروردگار کی طرف سے 'تاکہ آپؐ خبردار کردیں اُس قوم کو جس کے پاس پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں۔''

اس کے بعد آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر ہے۔ پھر آیات ۷ تا ۱۱ میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد منکرین آخرت کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں پھر زندہ کرے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔ فرمایا:

''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے ہر چیز کو خوبصورت بنایا اور انسان کی پیدائش کا آغاز گارے سے کیا۔ پھر اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنایا۔ پھر اس کو (نک سک سے) درست کیا اور پھونکی اس میں اپنی روح اور بنا دیے تمہارے لیے کان 'آنکھیں اور دل۔ تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو۔ اور (یہ

منکرین) کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں مر کھپ جائیں گے تو کیا ہمیں نیا بننا ہے ! بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات ہی کے منکر ہیں۔ (اے نبی ﷺ !) آپ کہہ دیجیے تم کو موت کا فرشتہ قبض کر لیتا ہے جو تم پر مقرر ہے اور پھر تم اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے۔''

آیات ۱۵' ۱۶ میں اہل ایمان کی ان صفات کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا:

''ہماری آیات پر بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو رات کے وقت اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں خوف اور اُمید کے ساتھ اور جو کچھ بھی ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا:

{فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿ ۱۷ ﴾}

''پس کسی کو علم نہیں کہ کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے لیے (خزانۂ غیب میں) مخفی رکھا گیا ہے۔ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔''

جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ))(۱)یعنی وہاں اہل ایمان کے لیے وہ کچھ موجود ہو گا جو(دنیا میں) نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گمان ہی گزرا۔

اس کے بعد مؤمن اور فاسق کا انجام کے حوالے سے موازنہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو شخص مؤمن ہو وہ اس شخص کے برابر ہو جائے جو نافرمان ہو؟ (نہیں' یہ دونوں ہرگز) برابر نہیں ہو سکتے۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کا ٹھکانہ جنت ہے' جو ان کے اعمال کے سبب ان کی

---

(۱)صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وانھا مخلوقۃ۔وصحیح مسلم' کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا 'باب۔

مہمانی ہے۔ اور جو لوگ نافرمانی کرتے رہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی وہ اس عذاب سے نکلنا چاہیں انہیں اس میں دوبارہ لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو آگ کا عذاب جس کا تم انکار کرتے تھے۔'' (آیات ۱۸ تا ۲۰)

آگے ارشاد ہوا:

{وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿ ۲۱ ﴾}

''اور ہم ان کو قریب کے عذاب (کا مزا) بھی اس بڑے عذاب کے علاوہ چکھا کر رہیں گے' شاید کہ یہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک اہم قانون کا حوالہ ہے کہ اس اُمت پر چھوٹے چھوٹے عذاب جن کی حیثیت تنبیہات کی ہوتی ہے 'قیامت تک آتے رہیں گے' لیکن نسیاً منسیا کر دینے والا عذابِ استیصال جو ان چھوٹے عذابوں کے بعد آتا ہے' جیسے کہ قومِ نوح' قومِ عاد اور قومِ ثمود وغیرہ پر آیا' اس کا اب اندیشہ نہیں' اس لیے کہ وہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی کوئی رسول آکر کسی قوم پر اتمام حجت کر دے' لیکن وہ قوم اس کے باوجود انکار کر دے تو وہ قوم عذابِ استیصال کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ اب چونکہ تاقیامِ قیامت کوئی اور رسول نہیں آئے گا اس لیے وہ جڑ کاٹ دینے والا عذاب بھی نہیں آئے گا۔

خاتمہ کلام پر نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے آپ سے فیصلہ کن فتح کا وقت پوچھتے ہیں۔ اِن سے کہہ دیجیے کہ جب فیصلے کا وقت آجائے گا تو اس وقت کافروں کا ایمان لے آنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا' (لہٰذا ابھی مان لو بجائے اس کے کہ اُس وقت کے انتظار میں بیٹھے رہو۔) پس اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کی باتوں کی کچھ پروا نہ کریں اور انتظار کریں' یہ بھی منتظر ہیں۔ (آیات ۲۸ تا ۳۰)

سُورَۃُ الاَحزَاب

زیر مطالعہ گروپ میں سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک آٹھ مکی سورتوں کے بعد سورۃ الاحزاب واحد مدنی سورۃ ہے۔ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا آپس میں جوڑے

کا تعلق ہے------سورۃ الاحزاب نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں تین اہم واقعات کا ذکر ہے' یعنی غزوۂ احزاب' غزوۂ بنی قریظہ اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح۔ یہ تینوں واقعات ۵ھ

میں پیش آئے‘ لہٰذا یہی اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔ اس زمانہ میں نئے مسلم معاشرے کی تعمیر اور زندگی کے ہر گوشہ میں اصلاح کا کام جاری رہا۔ قوانین نکاح و طلاق اس عرصہ میں تقریباً مکمل ہو گئے ‘وراثت کا قانون بنا‘ شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا اور معیشت و معاشرت کے حوالے سے بہت سے نئے ضابطے نافذ کیے گئے۔

اس ضمن میں ایک نہایت اہم مسئلہ اصلاح کا متقاضی تھا اور وہ تھا متبنّٰی یعنی لے پالک یا منہ بولے بیٹے کا مسئلہ۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع اسی سے متعلق ہے۔ دنیا کے دوسرے علاقوں کی طرح عربوں میں بھی یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اگر کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا تو ہر معاملہ میں اس کی حیثیت اصل بیٹے کی سی ہو جاتی تھی۔ قرآن نے اس دستور کو ختم کیا۔ بتادیا گیا کہ بیٹا وہی ہے جو اپنے باپ کی صلب سے ہو اور ماں وہی ہے جس نے اس کو جنا ہو۔ معاشرہ میں منہ بولے بیٹے کو جو تقدس حاصل تھا اس کو ختم کرنا مقصود تھا‘ لیکن یہ تقدس صرف قانونی طور پر اتنی بات کہہ دینے سے ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات و اوہام کو ختم کرنے کے لیے کسی انقلابی اقدام کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہ بات ان کے سابقہ رسم و رواج کے تحت انتہائی معیوب تھی‘ لیکن اس رسم و رواج کو ختم کرنا اسی طرح ممکن تھا ۔ چونکہ معاملہ ایسا تھا کہ اس پر شدید مخالفانہ پراپیگنڈہ ہونے کا امکان تھا‘ چنانچہ سورۃ کے آغاز ہی میں فرمایا گیا:

{یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَ لَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۱﴾ وَّ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾ وَّ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۳﴾}

’’اے نبی(ﷺ) ! اللہ کا تقویٰ اختیار کیجیے اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے‘ بے شک اللہ جاننے والا‘ حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آپ پر وحی کیا جا رہا ہے اسی کا اتباع کیجیے‘ یقینا اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔ اور (اے نبی ﷺ) اللہ پر توکل کیجیے (کسی کی مخالفت اور کسی اعتراض کی کوئی پروا نہ کیجیے) اور کارساز ہونے کے اعتبار سے اللہ ہی کافی ہے۔‘‘

سورۂ مبارکہ کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے۔ جن حالات میں یہ غزوہ واقع ہوا وہ سب کے علم میں ہیں۔ اس موقع پر اہل ایمان کی شدید ترین آزمائش ہو گئی۔ ایسی صورت میں جبکہ ایک چھوٹی سی بستی جو چند ہزار گھروں پر مشتمل ہے‘ بستی کے اندر مارِ آستین یعنی یہودی موجود ہیں جو عین وقت پر پیٹھ میں خنجر گھونپ سکتے ہیں‘ بارہ ہزار کے لشکر نے اُس بستی کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ ایسی پریشان کن صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو اچھی طرح جانچ اور پرکھ لیا۔ اس کا ذکر یوں کیا گیا:

’’اے اہل ایمان ! یاد کرو اللہ کی اُس نعمت کو جو تم پر اُس وقت ہوئی جبکہ تم پر چڑھ آئے تھے لشکر (یہ

لشکر تین طرف سے آئے تھے: شمال سے یہودی‘ مکہ سے قریش اور مشرق سے قبائل غطفان) تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے‘ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے ۔ جب وہ (لشکر) تم پر چڑھ آئے اوپر اور نیچے کی طرف سے اور جب نگاہیں کج ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت اہل ایمان کا امتحان لیا گیا اور انہیں ہلا ڈالا گیا پوری شدت کے ساتھ۔‘‘ (آیات ۹ تا ۱۱)

امتحان و آزمائش کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں‘ پاس یا فیل۔ ایک طرف انسان کی عزت بڑھتی ہے تو دوسری جانب وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ اس موقع پر منافقین ناکام ہو گئے اور مخلص اہل ایمان کامیاب ہو گئے۔ آیت ۱۲ میں منافقین کا قول نقل ہوا ہے کہ:{مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲﴾}یعنی ’’اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے

جھوٹے وعدے کیے‘‘ ہمیں دھوکہ دے کر مروا دیا۔ ہمیں تو امید دلائی گئی تھی کہ تمہیں قیصر و کسریٰ کے خزانے ملیں گے‘ حکومت ملے گی اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے۔

اس کے برعکس مخلص اہلِ ایمان کے کردار کا تذکرہ تیسرے رکوع میں آ رہا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے فرمایا:

{لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ﴿۲۱﴾}

’’اے مسلمانو تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی شخصیت میں بہترین نمونہ ہے‘ ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت (کی ملاقات) کا امیدوار ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔‘‘

ہم نے اس آیت سے چھوٹی چھوٹی سنتیں‘ وضع قطع اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں حضور ﷺ کی پیروی کر لینا مراد لے رکھا ہے‘ جبکہ اصل میں تو نبی اکرم ﷺ کا جو کردار غزوۂ احزاب میں نمایاں ہو کر آ رہا ہے وہ ہے اصل اُسوہ حسنہ جس کی طرف یہاں اہل ایمان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ہمارے رسول (ﷺ) کو دیکھو! غزوۂ احزاب کی بے انتہا سختیوں میں کیسے صبر و استقلال سے ڈٹے رہے اور اہل ایمان کے ساتھ بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں مصروف رہے۔ بطور قائد اور سپہ سالار آپؐ کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی۔ چنانچہ اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر معاملے میں‘ خاص طور پر ہمت و استقلال میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنائیں۔

آگے فرمایا کہ جب اہل ایمان نے ان لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے:{ہٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ ۟}’’یہی تو ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ نے‘ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا

تھا۔ ''اور اس واقعے نے اُن کے ایمان اور شیوۂ فرماں برداری ہی میں اضافہ کیا۔ اہلِ ایمان میں وہ جواں مرد ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد کہ جو انہوں نے اپنے پروردگار سے کیا تھا۔ ان

میں وہ بھی ہیں کہ جو اپنی نذر گزار چکے اور باقی جو ہیں وہ منتظر ہیں کہ کب ہمارا وقت آئے (کہ ہماری بھی گردنیں اللہ کی راہ میں کٹیں اور ہم سبکدوش اور سرخرو ہو جائیں۔) انہوں نے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقین کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے۔ یقینا اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔(آیات ۲۲ تا ۲۴)

چوتھے رکوع میں خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات l سے خطاب ہے کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو بلکہ اہل ایمان عورتوں کے لیے نمونہ ہونے کے اعتبار سے تمہاری خصوصی حیثیت اور ذمہ داری ہے۔ {وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ} ''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو'' کی ہدایت دے کر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ کسی غیر محرم سے بات کرنی ہی پڑ جائے تو آواز میں کسی قسم کی لوچ نہ ہو تاکہ کسی خبیث شخص کے دل میں خواہ مخواہ کوئی برا خیال یا اُمید چٹکیاں نہ لینے لگے۔ پانچویں رکوع کے آغاز میں اہل ایمان مَردوں اور عورتوں کی دس صفات بیان فرمائی گئیں کہ ان تمام خیرات و حسنات ' نیکیوں اور بھلائیوں میں مرد و عورت برابر ہیں۔

ساتویں رکوع میں اہل ایمان کو نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں حاضر ہونے کے آداب بتلائے گئے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ جب ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز لینی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ آٹھویں رکوع کے آغاز میں گھر سے باہر کے پردے کے بارے میں ہدایت دی گئی:

{یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡہِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِہِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ فَلَا یُؤۡذَیۡنَ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۵۹﴾}

''اے نبی (ﷺ) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ اس سے وہ جلد پہچان لی جائیں گی اور انہیں ستایا نہ جائے گا۔ اور اللہ غفور و رحیم ہے۔''

آیت ۶۳ میں قیامت کے حوالے سے لوگوں کے سوال کو پھر دہرایا گیا کہ کب آئے گی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ آخر میں انسان کو اللہ نے یہ احساس دلایا کہ دنیا میں اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ خلافتِ ارضی کے حوالہ سے بتایا گیا کہ یہ جو انسان کو عطا کی گئی ہے یہ اتنی گراں بار ہے کہ آسمان ' زمین اور پہاڑ اس

کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ اب اس بارِ امانت کو اٹھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافقین اور مشرکین کو سزا دے اور مؤمنین کی توبہ کو قبول کرے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

* * *

پانچواں گروپ سَبا ... تا ... الحُجُرات

سُورۂ سَبَا

نظم قرآن کے اعتبار سے پانچواں گروپ ۱۳ مکی اور تین مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ سورۂ سبا سے سورۃ الاحقاف تک مکیات ہیں' پھر تین سورتیں سورۂ محمد' سورۃ الفتح اور سورۃ الحجرات مدنیات ہیں۔

سورۂ سبا چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانۂ نزول مکہ کا متوسط یا ابتدائی دور محسوس ہوتا ہے ۔ اس سورۃ میں کفار کے ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو وہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور آپؐ کی نبوت پر طنز و استہزاء اور بے ہودہ الزامات کی شکل میں کرتے تھے۔

اس سورۃ کا آغاز ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ'' کے الفاظ سے ہوا ہے اور یہ امر باعث ِدلچسپی ہے کہ ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ'' سے شروع ہونے والی سورتیں قرآن حکیم میں سات سات پاروں کے وقفہ سے آئی ہیں۔ سب سے پہلی سورۃ "الفاتحہ" کا آغاز {اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾} سے ہوا ہے' پھر ساتویں پارے میں سورۃ الانعام {اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ} کے الفاظ سے شروع ہوئی' پھر پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف {اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ} کے الفاظ سے شروع ہوئی ۔ اس کے بعد بائیسویں پارے میں دو سورتیں سورۂ سبا اور سورۂ فاطر ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔

حمد ِباری تعالیٰ کے موضوع پر سورۂ سبا اور سورۂ فاطر کا جوڑا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اس سورۃ کا

آغاز بڑا پرجلال ہے:
{اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ

71

وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿ ۱ ﴾ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ﴿ ۲ ﴾ }

''تمام شکر اور کل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جو آسمان و زمین کی ہر شے کا مالک ہے' اور اُسی کے لیے حمد وثنا ہے آخرت میں بھی' اور وہی کمال حکمت والا اور ہر شے سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہوتا ہے زمین میں (خواہ پانی کا ایک قطرہ ہی ہو جو زمین میں جذب ہو جاتا ہے) اور جو کچھ اُس سے نکلتا ہے (خواہ ایک بیج ہی ہو جس کے زمین میں پھوٹنے سے پتیاں باہر نکلتی ہیں) اور (جانتا ہے) جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ چڑھتا ہے اس میں۔ اور وہ رحمت اور مغفرت فرمانے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا' توحید اور ایمان باللہ کے اس بیان کے بعد آخرت اور اس کے بعد رسالت کا ذکر ہوا۔ چنانچہ آیت ۳ میں ارشاد ہوا :{وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ ؕ} ''اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی کہ قیامت نہیں آئے گی ''۔ اس کا جواب دیا :{قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ} ''آپ کہہ دیجیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم جو کل غیب کا جاننے والا ہے وہ ضرور آئے گی''۔اس کے بعد آیت ٦ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے حق ہونے کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: {وَ یَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ہُوَ الۡحَقَّ ۙ} ''اور جانتے ہیں اہل کتاب میں سے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ (یہ قرآن) جو آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے' وہ سچ اور حق ہے۔''

دوسرے رکوع میں حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہے۔ پہلے ان دونوں پر اللہ کی طرف سے کیے گئے انعامات کا تذکرہ ہوا کہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت عطا کی کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور انہیں ہدایت کی کہ اس کی زرہیں بنائیں اور کڑیوں کے جوڑنے میں مناسب اندازہ کریں اور وہ سب نیک کام کیا کریں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے ذکر ہوا کہ ہم نے ہوا کو اُن کے لیے مسخر کر دیا تھا اور ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ بہا دیا

72

اور ایسے جن اُن کے تابع کر دیے جو اللہ کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے۔ ان انعامات کے تذکرے کے بعد فرمایا: {اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ﴿ ۱۳ ﴾ }''(اللہ نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے) اے آل داؤد اس پر عمل کرو شکر کرتے ہوئے' حال یہ ہے کہ تھوڑے ہی بندے شکر گزار ہوتے ہیں''۔(آیات ۱۰'۱۳)

آیت ۱۴ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے متعلق بتایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کا حکم صادر کر دیا تو جنات کو ان کی موت کا علم نہیں ہوا۔ آخر کار جب گھن نے اُن کے عصا کو کھا لیا اور حضرت سلیمانؑ گر پڑے تو جنات کو ان کی موت کا پتا چلا۔ اگر جن غیب کا علم جانتے ہوتے تو وہ اتنا عرصہ ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ اس سے دونوں باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ جن اگر بزعم خود غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہوں تو وہ غلط ہے اور اگر عام لوگ جنوں کو غیب دان سمجھتے ہوں تو ان کی غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو گیا۔

اس کے بعد قومِ سبا کا ذکر ہوا جو اپنے وقت کی بڑی مہذب قوم تھی اور بڑے سرسبز و شاداب علاقے کی مالک تھی۔ غالباً تاریخ انسانی کا پہلا بند ان کے علاقہ یمن میں باندھا گیا جس سے ہر طرف ہریالی' شادابی اور خوشحالی پیدا ہوئی۔ اس خوشحالی میں بجائے اللہ کے شکر کے اُن میں سرکشی پیدا ہوتی چلی گئی' جس کے نتیجہ میں بند ٹوٹ گیا اور سیلاب سے ان کا سارا علاقہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس طرح اللہ کے غضب نے اُس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر اس کُڑھے میں پھینک دیا جہاں سے پھر کوئی مغضوب قوم سر نہیں اٹھا سکی۔ (آیات ۱۵ تا ۱۷)

تیسرے رکوع کے آخر میں وہ آیت ہے جو اکثر ہماری تقریروں میں بطور حوالہ بیان ہوتی ہے:

{وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾}

''اور (اے محمد ﷺ) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر' لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔''

اس سے پہلے آیت ٦ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے حق ہونے کا ذکر تھا اور اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے عالمگیر ہونے کا بیان ہے کہ آپؐ کی بعثت کی غرض یہ ہے کہ آپ تمام نوعِ انسانی کو اچھے اور برے اور نیک و بد کی تعلیم دیں اور نیکیوں پر خوشخبری دیں اور برائیوں پر لوگوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرائیں۔ اب جو سمجھ دار ہوں گے وہ تو آپ کی بات مان لیں گے لیکن دنیا میں اکثریت جاہلوں اور ناسمجھوں کی ہے۔

چوتھے رکوع میں ہٹ دھرمی اور کفر کی روش اختیار کرنے والوں کا قول نقل ہوا ہے:

{وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ لَا بِالَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ ؕ}

''اور کفر کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس سے پہلے والے پر۔''

یہاں تورات کے لیے بھی قرآن کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ آگے ضعفاء اور منکرین کے مکالمے کا ذکر ہے ---فرمایا: کاش تم دیکھ پاتے کہ یہ ظالم جب اپنے ربّ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو آپس میں مکالمہ کریں گے۔ نچلے طبقات کے دبے اور کچلے ہوئے لوگ استکبار اور گھمنڈ کی روش اختیار کرنے والے لوگوں سے کہیں گے کہ تم لوگ ہمیں ورغلاتے رہے' اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آتے! جواب میں وہ ان ضعفاء سے کہیں گے کہ کیا ہم

نے تم کو ایمان لانے اور ہدایت کی روش اختیار کرنے سے روکا تھا؟ تم تو خود ہی مجرم تھے۔ پھر وہ ضعیف اور کمزور لوگ ان متکبرین سے کہیں گے کہ تمہاری تو ہر وقت یہ چال تھی ،تم ہمیں حکم دے رہے تھے کہ ہم کفر کریں اور اللہ کے مدمقابل کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ پھر جب یہ سب لوگ عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اپنی ندامت کو اندر ہی اندر چھپائیں گے اور ہم ان کے گلوں میں ان کے عمل کی پاداش میں طوق ڈال دیں گے۔ (آیات ۳۱۔۳۳)

آیت ۳۷ میں مال اور اولاد کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ چیزیں تمہیں ہم سے قریب کرنے والی نہیں ہیں' ہاں اگر ایمان اور عمل صالح کی بنیاد مضبوط ہے تو پھر یہ بھی ذریعہ تقرب بن سکتے ہیں ۔ صالح اولاد سے بڑا صدقہ جاریہ اور کوئی نہیں ہے۔

اگر انسان اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کے لیے نیکیوں کا ایک سلسلہ جاری رہے گا۔

آیت ۴۰' ۴۱ میں ملائکہ پرستی کی نفی کی گئی ہے۔ فرمایا: ''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا :کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے؟ تو وہ عرض کریں گے کہ تیری ذات پاک ہے' ہمارا تعلق تو تجھ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔''

چھٹے رکوع میں بہت اہم انداز اختیار کیا گیا: {قُلۡ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ ۚ...}

''(اے نبی ﷺ !) ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم کو صرف ایک بات سمجھاتا ہوں کہ تم محض اللہ کے واسطے کھڑے ہو جائو' دو دو اور ایک ایک کر کے' پھر ذرا سوچو (کہ تمہاری محفلوں میں جس بات کا چرچا ہے کیا وہ صحیح ہو سکتی ہے؟) تمہارے رفیق (نبی مکرم ﷺ) کو کوئی جنون لاحق نہیں ہے' یہ تو تمہیں ایک بڑے عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے والے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ اگر میں نے تم سے (تبلیغ رسالت پر) کوئی اجرت طلب کی ہو تو وہ تم ہی کو مبارک ہو' میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے جو ہر چیز پر نگران ہے۔ ان سے کہہ دیجیے کہ میرا ربّ حق کو (باطل کے سر پر) کھینچ مارتا ہے اور وہ غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ان سے کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر آئے۔ ان سے کہیے کہ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو اس کا وبال مجھ پر ہی آئے گا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ وحی ہے جو اللہ کی طرف سے مجھ پر آتی ہے۔ وہ یقیناً سب کچھ سننے والا اور قریب ہے۔'' (آیات ۴۳تا۵۰)

سُورۃُ فَاطِر

یہ سورۂ مبارکہ پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور یہ غالباً مکہ کے درمیانی دور میں نازل ہوئی ہے' جبکہ نبی اکرم ﷺ کی مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی اور آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے ہر طرح کی بری سے بری چالیں چلی جا رہی تھیں۔ اس سورۃ کا آغاز بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے مبارک کلمات سے ہوا ہے اور اس کے مضامین سابقہ

سورۃ یعنی سورۂ سبا کے مضامین سے گہری مشابہت رکھتے ہیں۔ پہلے رکوع میں توحید' رسالت اور معاد' جو بنیادی ایمانیات ہیں' بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

توحید کا لب لباب یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ کے اِذن سے ہوتا ہے اور تمام خیر و شر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہی بات آیت ۲ میں بیان ہوئی ہے :

{مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَ مَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾}

''اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی جس رحمت کا دروازہ بھی کھولنا چاہے تو اس کا روکنے والا کوئی نہیں' اور جو کچھ وہ روک دے تو اسے اللہ کے بعد کوئی بھیجنے والا نہیں۔ اور وہ غالب' حکمت والا ہے۔''

اگلی چار آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا بیان فرما رہا ہے۔ دوسری آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ صرف آپ ہی کو نہیں جھٹلا رہے ہیں بلکہ آپ سے پہلے آنے والے بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں ۔ اس کے بعد قیامت کے حوالہ سے بتایا گیا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور یہ اپنے وقت پر آ کر رہے گی۔ یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالنے پائے اور انتہائی دھوکے باز شیطان تمہیں اس مغالطہ میں مبتلا کر کے جری نہ بنا دے کہ گناہوں سے بچنے کی کیا ضرورت ہے' جبکہ اللہ بڑا غفور و رحیم اور نکتہ نواز ہے۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو لوگوں کو اپنی پارٹی میں شامل کرنے کی تگ و دو کر رہا ہے تاکہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائیں !

دوسرے رکوع میں آنحضور ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپؐ ان لوگوں کے حال پر حسرت و افسوس اور رنج و غم کی وجہ سے اپنی جان ضائع نہ کیجیے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے۔

اس رکوع میں ایک اہم قانونِ فطرت بھی بیان ہوا ہے : {اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ

الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ} ''اُس کی طرف چڑھتے ہیں پاک کلمات اور نیک اعمال ان کو بلند کرتے ہیں''۔ یعنی کلمہ طیبہ تو دعوتِ حق ہے اور اس کو بلند کرنے والی شے عمل صالح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس قانون پر بنائی ہے کہ حق کے لیے بھی اہل حق کو محنت کرنی پڑے گی' قربانیاں دینی پڑیں گی۔ چنانچہ اعمالِ صالحہ کے بغیر کلماتِ طیبات پوری رفعت ِشان حاصل نہیں کر سکتے۔

تیسرے رکوع میں ابتدائی طور پر قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اُس روز ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہو گا' کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہ ہو گا' خواہ کوئی عزیز ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ تو صرف ایسے لوگوں کو خبردار کر سکتے ہیں جو غیب میں ہوتے ہوئے بھی تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کوئی اپنا تزکیہ نفس کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا ہے (کہ اُس سے اس کی اپنی سیرت و کردار کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔) اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ دیکھو! نہ تو اندھے اور آنکھوں والے برابر ہیں' نہ تاریکی اور روشنی ایک جیسی ہیں' نہ ہی سایہ اور تپتی دھوپ یکساں ہیں' اور نہ ہی زندہ اور مردہ برابر ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے' اور اے نبی ﷺ آپ نہیں سنا سکتے ان کو جو قبروں میں ہیں۔ آپ تو بس ایک خبردار کرنے والے ہیں۔(یہاں مردہ سے مراد وہ نہیں ہیں جو مر کر دفن ہو چکے ہوں بلکہ یہاں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اصل میں ہیں تو زندہ' چلتے پھرتے ہیں' دیکھتے اور سنتے ہیں' لیکن ان کی روح اندر سے مردہ ہو چکی ہے اور ان کے قلب گویا مقبروں کے اندر دفن ہو چکے ہیں۔)آگے فرمایا:

{اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾}

''ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ بھیجا گیا ہو۔''

آیت ۲۸ میں ایک بہت اہم جملہ آیا ہے: {ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ} ''اللہ کی صحیح خشیت ان ہی بندوں میں ہوتی ہے جو صاحب علم ہوں''۔یہاں

علم کا جو مقام ازروئے قرآن ہے وہ سامنے آتا ہے۔ علم کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں: علم الابدان اور علم الادیان۔ اگر انسان کی نظر محض علم الابدان یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی پر ہی جمی رہے تو یہ دجالی فتنہ بن جاتی ہے' لیکن اگر انسان کے سامنے فطرت کے کسی مظہر(phenomenon) کا انکشاف ہو تو اللہ کی صناعی' اُس کی خلاقی اور اُس کی قدرت دیکھ کر اس کے دل میں اللہ کی عظمت کا اضافہ ہو جائے تو یہ {اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ} کی مطلوب کیفیت ہے۔

آیت ۲۹ میں قرآن حکیم کی تلاوت کرنے' نماز قائم کرنے اور اللہ کی راہ میں چھپے اور اعلانیہ خرچ کرنے

والوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ امیدوار ہیں ایسی تجارت کے جس میں نفع ہی نفع ہے اور گھاٹے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہ صرف پورا پورا اجر دے گا بلکہ اپنے فضل سے اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ آیت ۳۱ میں نبی مکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے وہی حق ہے اور وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ آیت ۳۲ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں اُمت مسلمہ کے افراد کی تین اقسام بیان کر دی گئی ہیں:

{ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡہُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ۚ وَ مِنۡہُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡہُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿۳۲﴾}

''پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو اس کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے منتخب فرمایا۔ پھر ان میں سے بعض تو اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں' اور بعض ان میں سے متوسط درجے کے ہیں' اور بعض ان میں سے اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی تو اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

جنت میں داخلے کے وقت اہل جنت کی زبانوں پر جو ترانے ہوں گے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ان کا ذکر ہوا ہے۔ ایسا ہی ایک ترانہ یہاں ملتا ہے:

{وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَذۡہَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَۃِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾}

''اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے ہر قسم کا رنج و غم دور کر دیا۔ یقینا ہمارا رب مغفرت والا اور قدر دان ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ایسی عمدہ قیام کی جگہ لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ مشقت پیش آئے اور نہ تکان لاحق ہو۔''

اس کے معاً بعد کافروں کا حال بیان ہوا ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے۔ نہ تو اُن کو قضا ہی آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ اُن سے دوزخ کا عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا۔

آخری آیت میں ایک قانون کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خطا کار کا اسی وقت فی الفور مواخذہ نہیں کرتا بلکہ اسے مہلت دیتا ہے۔ فرمایا:

{وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾}

''اور اگر اللہ مواخذہ (میں جلدی) کرتا بسبب ان کے گناہوں کے تو زمین پر کسی بھی حیوان کو نہ چھوڑتا' لیکن (اللہ) ان کو ڈھیل دیتا ہے وقت مقررہ تک۔ پھر جب وہ مقرر وقت آگیا تو ان کا ربّ ان سے خوب واقف ہے

۔‘‘
یہ دھمکی کا انداز ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری کوئی حرکت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سُورۃُ یٰسٓ

اس سورۂ مبارکہ سے ہر مسلمان کو قلبی اُنس ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے اِس کو قرآن مجید کا قلب قرار دیا ہے۔ اس کو پڑھتے اور سنتے ہوئے حقیقتاً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دھڑکتا ہوا دل ہو۔ اس کا اپنا ایک اسلوب ہے --- جگانے اور ہوش میں لانے والا انداز۔غالباً یہی سبب ہے کہ جان کنی کے عالم میں حضور ﷺ نے یہ سورۃ پڑھ کر سنانے کی تلقین فرمائی ہے‘ جس کا ایک فوری فائدہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس عالم فانی

سے منتقلی کے وقت ایمانی کیفیات و احساسات اگر دبے ہوئے ہیں تو وہ بیدار ہو جائیں اور مرنے والا ایک زندہ اور متحرک ایمان لے کر دوسرے عالم میں داخل ہو۔

’’یٰسٓ‘‘حروف مقطعات سے اس سورہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ ’’یٰسٓ ‘‘کے بارے میں گمان ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسلوبِ بیان اس کی تائید بھی کر رہا ہے :

{یٰسٓ ﴿۱﴾ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ }

’’یٰسٓ ، قسم ہے اِس قرآن کی جو حکمت والا ہے ‘کہ یقینا آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ سیدھی راہ پر گامزن ہیں۔ اِس قرآن کا نزول اُس ذات کی طرف سے ہے جو زبردست اور رحیم ہے (یہ آپ پر اس‘ لیے نازل کیا گیا ہے) تاکہ آپ خبردار کریں اُس قوم کو جن کے آباء و اَجداد کو خبردار نہیں کیا گیا‘ سو وہ بے خبر ہیں۔‘‘

یہ اشارہ ہے بنی اسمٰعیل کی جانب کہ جن میں بوجوہ نبوت و رسالت کا سلسلہ ایک عرصے تک بند رہا۔ گویا اہل عرب کہ جو حضرت اسمٰعیل ؑ کی اولاد ہیں‘ ان کے حق میں ایک کلمہ کہا جا رہا ہے کہ اُن کی غفلت کی وجہ یہ ہے کہ تقریباً ۲۵۰۰ برس کے دوران کوئی نبوت یا کوئی رسالت اس قوم میں نہیں رہی‘ کہ ان کو خبردار کیا جاتا اور غفلت سے بیدار کیا جاتا۔ یہ غفلت اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اب جبکہ ان کے سامنے دعوتِ حق آ گئی ہے تو یہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیات میں ارشاد ہے:

''البتہ ثابت ہو گیا اللہ کا قول ان کی اکثریت پر (یعنی یہ لوگ قانونِ الٰہی کی زد میں آ گئے) اور اب یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈالے پڑے ہوئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے سر اوندھے ہو گئے ہیں۔ (یہ اُن کے تکبر کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ گردنوں میں طوق پڑے ہونے کی وجہ سے وہ تن گئی ہیں اور سر اکڑ گئے ہیں) اور

ہم نے ایک دیوار ان کے سامنے اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے' پھر ہم نے ان کو پوری طرح ڈھانپ دیا ہے' پس اب یہ دیکھنے والے نہیں ہیں ۔ ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ ان کو خبردار کریں یا نہ کریں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ البتہ آپ خبردار کر سکتے ہیں اُن کو جو اتباع کریں اس ذکر کا (یعنی جو قرآن نازل کیا گیا ہے اس کو سمجھیں اور اس کی پیروی کریں) اور بن دیکھے رحمن کی خشیت دل میں رکھیں۔ ایسے لوگوں کو خوشخبری سنائیں مغفرت کی اور باعزت اجر کی۔'' (آیات ٦' ١١)

دوسرے رکوع میں اُس بستی کا ذکر ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو رسول بھیجے' جن کی تکذیب کی گئی' پھر اللہ نے تیسرا رسول بھیجا۔ لیکن ان سے کہا گیا :

{مَآ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَمَآ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَکۡذِبُوۡنَ ﴿ ۱۵ ﴾}

''تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو (اس لیے ہم تمہیں رسول نہیں مانتے) اور رحمن نے کچھ نہیں اتارا' تم محض جھوٹ بولتے ہو۔''

آگے فرمایا گیا کہ :

''ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو تلقین کی' کہ رسولوں کا کہنا مانو اور ان کا اتباع کرو جو تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے ہیں اور خود ہدایت یافتہ ہیں۔ اور کیا ہے مجھے کہ میں اُس کی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا میں اس کے سوا کسی اور کو الٰہ بنا لوں کہ اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو مجھے ان کی سفارش کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔'' (آیات ١٩ تا ٢٣)

یہ ایک اچھا خاصا خطبہ ہے جو ان صاحب نے دیا اور آخر میں فیصلہ کن انداز میں کہا:

''سن رکھو کہ میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا۔ (یہ بات اس قوم پر اتنی گراں گزری کہ فوراً اس شخص کو شہید کر دیا گیا) اس شخص سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں ! (یہ الفاظ دل پر نقش ہو جانے چاہئیں کہ شہادت کی حقیقت یہ ہے کہ اِدھر آنکھ بند ہوئی اور اُدھر جنت میں کھل گئی۔ فوراً ہی جنت میں داخلے کا

پروانہ مل جاتا ہے) اس نے کہا کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ کس طرح میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت و الوں میں بنا دیا۔''

سورۂ یٰسین اور سورۃ السجدہ کا معاملہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں مضامین اتنے گتھے ہوئے ہیں اور ان کا آہنگ اور بہاؤ (flow) اتنا تیز ہے کہ ان میں سے کوئی چیز منتخب کر کے علیحدہ نکال کر بیان کرنا بہت مشکل کام ہے' چنانچہ پوری سورۃ مکمل طور پر بیان ہونی چاہیے۔ البتہ پانچویں رکوع کی ایک آیت نبی اکرم ﷺ کی شان میں بایں الفاظ آئی ہے: {وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ﴿۶۹﴾} ''اور ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو خالص نصیحت ہے اور واضح قرآن''۔ اسی طرح کا مضمون سورۃ الشعراء میں بھی آچکا ہے کہ اگر تمہارا خیال ہے کہ ہمارے نبی ﷺ شاعر ہیں تو یہ بالکل خام خیالی ہے۔ شاعروں کا کردار اس سورۃ میں کھول دیا گیا تھا ۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو شعر سکھایا ہی نہیں۔ عرب میں شاعری کو بڑا بلند مقام حاصل تھا اور یہ بات اچھی نہیں سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص شاعر نہ ہو' جبکہ نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو شعر سے کوئی مناسبت تھی ہی نہیں۔ اگر کبھی آپ کوئی شعر پڑھتے بھی تو اس میں کوئی غلطی ضرور ہوجاتی تھی۔ تو یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے انہیں شعر سکھایا ہی نہیں' یہ ان کے شایانِ شان ہی نہیں ہے۔ یہ تو قرآن مبین ہے اور ذکر و یاددہانی ہے۔ اس قرآن کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں کہ جو زندہ ہیں' جن کی روح ابھی اُن کے قلب میں دفن نہیں ہوئی' خبردار اور ہوشیار ہو جائیں اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے ۔ (آیات ۶۹ تا ۷۰)

سورۃ کے آخر میں انسان کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کیا یہ دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اس کو منی کی ایک بوند سے پیدا کیا' پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا (ہم سے جھگڑتا اور حجت بازی کرتا ہے' ہماری کتاب کو رد کرتا ہے اور ہمارے رسول کا استہزا کرتا ہے) ہمارے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول گیا ہے کہ اس کی خلقت کیسے ہوئی اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بڑے دھڑلے سے کہتا ہے کہ جب ہڈیاں گل سڑ

جائیں گی تو کون ان کو زندہ کرے گا؟ اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا تھا۔ وہ تو ہر طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی پھر تم اس سے (اور آگ) سلگا لیتے ہو۔ کیا جس ہستی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اس جیسی کائنات دوبارہ پیدا کر دے؟ کیوں نہیں' یقینا وہ ماہر خلاق ہے ۔ وہ تو جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔(آیات ۷۷ تا ۸۳)

سُورۃُ الصَّافَّات

یہ سورۂ مبارکہ بھی پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے، لیکن اس میں آیات چھوٹی ہیں اور روانی بہت تیز ہے۔ سورۂ یٰسین کے بھی پانچ رکوع ہیں اور اس میں ۸۳ آیات ہیں جبکہ اس سورۂ مبارکہ کے پانچ رکوعوں میں ۱۸۲ آیات ہیں۔ سورۃ کا آغاز فرشتوں کی قسموں سے ہو رہا ہے، جس کا اصل مفاد گواہی ہے۔ فرمایا:

{وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾}

''قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صفیں باندھے حاضر رہتے ہیں، اور جو جھڑکتے ہیں جیسا کہ جھڑکنے کا حق ہے (یعنی اُن کے ذریعے سے عذاب نازل کیا جاتا ہے) اور جو ذکر کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (اُن سب کو گواہ کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ) تمہارا معبود بس ایک ہی ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا رب ہے اور رب ہے مشرقوں کا۔''

اگلی آیات میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ شیاطین کو اتنی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی وحی الٰہی کی بات سن پائیں۔ وہ آسمان کے کسی بھی کونے سے اُن کی مجلس کے قریب جانے کی کوشش کرتے ہیں تو فرشتے ان کو دھکے مار کر بھگا

دیتے ہیں۔ اگر کوئی شیطان جن ایک آدھ بات اس بھاگ دوڑ میں سن لیتا ہے تو فرشتے شہابِ ثاقب کے ساتھ اس کا پیچھا کرتے ہیں۔(آیات ٦ تا ١٠)

آیت ٣٦ میں رسالت کا ذکر ہوا ہے۔ فرمایا:{وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾} ''اور وہ لوگ (استہزائیہ انداز میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم چھوڑ دیں اپنے معبودوں کو ایک شاعر و دیوانے کے کہنے پر''۔ اس کے جواب میں فرمایا: {بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾}''(حقیقت یہ ہے کہ) وہ حق لے کر آیا ہے اور اس نے تمام رسولوں (اور ان کی تعلیمات) کی تصدیق کی ہے۔''

اگلی آیات میں منکرین کے انجام کا تذکرہ ہے کہ یاد رکھو تم اپنے انکار کی پاداش میں ایک دردناک عذاب کا مزا ضرور چکھو گے، اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، سوائے ان لوگوں کے کہ جن کو اللہ نے اپنے لیے خالص کر لیا ہے۔ (آیات ٣٨۔٤٠) اس سورۃ میں اس آیت {اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾}کی تکرار ہے۔

تیسرے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کا مختصر ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

کچھ تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریباً ساری زندگی امتحانات میں ہی گزری۔ اپنی برادری کو بتوں کی عبادت سے منع کیا' وہ منع نہ ہوئے تو صنم خانے میں جا کر ان کے سارے بتوں کو توڑ دیا۔ قوم نے آگ میں ڈالا تو بلاتامل کود پڑے۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اس کے بعد خاص طور پر سب سے زیادہ سخت امتحان کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ بڑھاپے میں ۸۷ برس کی عمر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صورت میں اولاد عطا ہوئی اور سو برس کی عمر میں اس اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔

آتش نمرود سے صحیح و سلامت نکل آنے کے بعد جب ہجرت کا حکم ہوا تو فرمایا: {اِنِّیۡ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ ﴿۹۹﴾}''میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں (یہ ہجرت کے لیے استعارہ ہے) وہ مجھے راستہ دے گا''۔ نہ سفری وسائل ہیں' نہ کسی چیز کا پتا ہے' نہ

راستوں سے آگاہی ہے' کہاں جانا ہے' کہاں ٹھکانا ہو گا کچھ پتا نہیں۔ اب دل کی گہرائیوں سے یہ دعا ہو رہی ہے : {رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾}''اے ربّ مجھے کوئی نیک بیٹا عطا فرما''۔ آگے ارشاد ہوا : تو ہم نے ان کو ایک بہت حلیم الطبع لڑکے کی بشارت دی ۔ (قرآن حکیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں ہمیشہ ''حلیم'' اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں ''علیم'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں) تو جب وہ والد کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے کے قابل ہوئے تو ان سے کہا کہ بیٹے ! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تم بتائو تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس حلیم الطبع بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان کر گزریے جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے' آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ ہے اسلام کی حقیقت کہ اللہ کے ہر حکم کے آگے سر کو جھکا دینا۔ یہ اس قدر سخت اور کڑا امتحان تھا کہ ممتحن (اللہ تعالیٰ) خود پکار اُٹھا کہ واقعی یہ بڑا سخت امتحان تھا:{اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۰۶﴾}''بے شک یہ صریح (سخت) امتحان ہے۔'' (آیات ۷۵۔ ۱۱۱)

اس کے بعد انبیاء کرام کے ناموں کا ایک گلدستہ ہے' یعنی حضرات اسحٰق' یعقوب' موسیٰ' ہارون' الیاس' لوط اور یونس (علیہم السلام) کا ذکر آیا ہے۔ ہر ایک کے بارے میں دو دو تین تین آیات آئی ہیں۔

سورۂ مبارکہ کی آخری آیات فلسفہ رسالت کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ رسالت کے منصب پر فائز کیے جانے والے اپنے بندوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

{وَ لَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ اِنَّ جُنۡدَنَا لَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾}

''اور بے شک طے شدہ ہے ہمارا قانون اپنے ان بندوں کے بارے میں جو رسول ہیں' کہ لازماً ان کی مدد کی جائے گی' اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''

نبوت اور رسالت کے مابین ایک فرق متفق علیہ ہے کہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص۔ ہر نبی رسول نہیں ہوتا لیکن ہر رسول لازماً نبی ہوتا ہے۔ تو رسولوں کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ان کی مدد ہو کر رہے گی اور وہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے۔

آخری تین آیات بڑی پیاری اور جامع ہیں جو اکثر لوگوں کو یاد ہوں گی:

{سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۸۲﴾٪}

''پاک ہے تیرا رب جو عزت اور اختیار والا ہے ان تمام چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں (جو گھٹیا تصورات انہوں نے اللہ کی ذات سے وابستہ کر لیے ہیں اللہ ان سے پاک ہے)۔ اور سلام ہو تمام رسولوں پر' اور کل حمد وثنا اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔''

سُورۂ صٓ

یہ سورۂ مبارکہ ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز صرف ایک حرفِ مقطعہ سے ہوتا ہے: صٓ' قٓ اور نٓ ۔ یہ بات نوٹ کر لیں کہ پورے قرآن مجید میں ایک حرف کو کہیں آیت نہیں بنایا گیا ۔ دورِ نبوت کی ابتدا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جب سردارانِ قریش میں کھلبلی مچی ہوئی تھی' ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ آغاز میں فرمایا: قرآن کی قسم جو ذکر' نصیحت اور یاد دہانی سے بھرا ہوا ہے' کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ غرور اور گھمنڈ میں ہیں اور ان میں عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک و برباد کیا پھر وہ پکارنے لگے اور ان کے پاس نجات کا وقت نہ رہا۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا ہے جس کو یہ منکرین ساحر اور جھوٹا کہنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ وہ ان کو ایک الٰہ واحد کی دعوت دیتا ہے تو یہ اس کو بڑی تعجب والی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں چلو چلو اپنے معبودوں پر ڈٹے

اور جمے رہو' یقینا اس کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔ ہم نے تو اس سے پہلے ایسی باتیں نہیں سنیں' یہ یقینا کوئی مقصد رکھتے ہیں اور اپنا غلبہ چاہتے ہیں اور گھڑی ہوئی باتیں پیش کر رہے ہیں۔ (آیات ۱۔۷)

دوسرے رکوع میں حضرت دائود علیہ السلام کا تفصیل سے تذکرہ ہے اور خاص طور پر ان کے ایک فیصلے کا ذکر ہے۔ فرمایا:

''اور کیا پہنچی ہے آپ کو خبر اُن دعوے والوں کی جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے تھے۔ جب وہ دائود کے سامنے ہوئے تو وہ ان سے گھبرایا۔ وہ بولے آپ گھبرائیے مت ! ہم تو دو فریق مقدمہ ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ فیصلہ کر دیں ہمارے درمیان حق کے ساتھ اور بے انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھی راہ بتادیجیے۔ یہ میرا بھائی ہے 'اس کی ۹۹ دنبیاں ہیں اور میری ایک دنبی اور یہ کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دے دو اور زبردستی کرتا ہے مجھ پر۔ آپ نے فرمایا: یہ واقعتاناانصافی کرتا ہے تجھ سے تیری دنبی مانگ کر۔'' (آیات ۲۱۔۲۴)

بعد ازاں حضرات سلیمان اور ایوب (علیہما السلام) کا مختصراً ذکر ہوا ہے۔ پانچویں رکوع میں قصہ آدم و ابلیس بیان' ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں اس مقام پر یہ واقعہ ساتویں اور آخری بار آیا ہے۔ یہاں پر شیطان کا قول نقل ہوا ہے: {قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۶﴾}''میں اس سے بہتر ہوں 'تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے (تو پھر میں اس کو کیوں سجدہ کروں)''۔ یہ تھا وہ غرور اور تکبر جو آدم کو سجدہ کرنے میں مانع ہوا۔ پھر اس نے دھمکی دی اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہ میں ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا سوائے ان بندوں کے جن کو تو نے خالص کر لیا ہے اپنے لیے۔ ان پر میرا کوئی دائو نہیں چلے گا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے اور میں تو حق ہی کہتا ہوں کہ میں بھی جہنم کو بھر کر رہوں گا تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے۔'' (آیات ۷۲۔۸۵)

آخری آیات میں نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی میں بناوٹ اور تکلف و تصنع والا انسان ہوں۔ میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ اور یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے یاد دہانی ہے ۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو خبریں اس میں دی جا رہی ہیں وہ سب حق ہیں۔ (آیات ۸۶۔۸۸)

سُورۃُ الزُّمر

ویسے تو قرآن مجید کا ہر حرف اور ہر لفظ اللہ کا کلام ہونے کے سبب اپنی اپنی جگہ انتہائی اہمیت و عظمت کا حامل ہے' لیکن اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے سورۃ الزمر' سورۃ المؤمن' سورۂ حٰمٓ السجدۃ اور سورۃ الشوریٰ' یہ چاروں سورتیں میری محبوب ترین سورتیں ہیں اور مجھے ان سے ایک خاص قلبی تعلق ہے۔ ان کا موضوع توحید عملی ہے۔ توحید کے دو پہلو اچھی طرح سمجھ لیے جانے چاہئیں۔ ایک ہے توحید علمی' توحید نظری یا توحید فی العقیدہ' یعنی اللہ کو ایک ماننا اور جاننا' اس کی صفات میں کسی کو اس کا ساتھی یا مدمقابل نہ سمجھنا۔ دوسرا پہلو ہے توحید عملی' یعنی انسان اپنی بندگی اور محبت و اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لے ۔ اس کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ نے ''توحید فی القلب'' سے تعبیر کیا ہے۔ اصل میں یہاں انسان کا ٹیسٹ ہوتا ہے' اس لیے کہ کسی چیز کو ماننا کوئی مشکل بات نہیں' لیکن عملی طور پر اس کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کر لینا بہت مشکل اور کٹھن کام ہے۔ پھر اس کے بھی دو پہلو ہیں : ایک انفرادی جو انسان کی اپنی ذات تک محدود ہے اور دوسرا اجتماعی سطح پر کہ یہی عمل (توحید عملی) پوری قوم اختیار کر لے اور ملک کے اندر یہ نظام قائم ہوجائے کہ مطاعِ مطلق اور حاکم حقیقی اللہ کی ذات ہو۔ اس تمہید کے تناظر میں سورۃ الزمر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کا مضمون انفرادی سطح پر توحید عملی ہے ۔ سورۃ کا آغاز ہوتا ہے:

{تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ}

''کتاب کا نزول ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست حکمت والا ہے۔ (اے نبی ﷺ !) آپ پر ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے' لہٰذا آپ اللہ ہی کی بندگی کریں دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار ! دین خالص اللہ ہی کا حق ہے۔''

یہ اس سورت کا مرکزی خیال ہے کہ بندگی کرو اللہ کی' خالص کرتے ہوئے اس کے

لیے اپنی اطاعت کو۔ اس کی اطاعت کے تابع تو کسی کی اطاعت ہو سکتی ہے لیکن علی الاطلاق اور اس کی اطاعت سے آزاد ہو کر کسی کی اطاعت کر لی تو یہ شرک ہے' خواہ وہ اطاعت اپنے نفس' قوم' حاکم یا کسی ادارہ ہی کی کیوں نہ ہو۔

آگے مشرکین کے شرک کے حوالے سے ایک خاص بات بیان ہوئی:

{وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ}

''اور جن لوگوں نے اُس (اللہ) کے سوا دوسروں کو اولیاء بنا لیا (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے۔''

یہ بالکل وہی رویہ ہے جو آج کل مزاروں کے ساتھ ذہنی و قلبی تعلق کا ہے۔ آگے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا جا رہا ہے:

{قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ﴿۱۱﴾ وَ اُمِرۡتُ لِاَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۲﴾ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰہَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّہٗ دِیۡنِیۡ ﴿۱۴﴾}

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی بندگی اور پرستش کروں دین اور اطاعت کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ اور مجھے حکم ملا ہے کہ سب سے پہلا فرمانبردار میں خود بنوں۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے تو خود اندیشہ ہے بڑے دن کے عذاب کا اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ پھر کہو کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔''

مختلف اسلوب سے ایک ہی بات کی تکرار ہو رہی ہے۔ اگلی آیات میں طاغوت سے اجتناب کرنے والوں کے لیے بشارتوں کا ذکر ہوا اور ساتھ ہی ساتھ ان کو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ' عقل مند اور ہوش مند قرار دیا گیا۔ فرمایا:

{وَ الَّذِیۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ یَّعۡبُدُوۡہَا وَ اَنَابُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ لَہُمُ الۡبُشۡرٰی ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ہَدٰىہُمُ اللّٰہُ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾}

''اور جو لوگ شیطانوں کی پیروی سے بچے اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوشخبری ہے۔ سو خوشخبری سنا دو میرے ان بندوں کو جو بات کو اچھی طرح سنتے ہیں اور پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ عقل والے ہیں۔''

آگے فرمایا:

''پھر بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک نور پر ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو کفر کی تاریکیوں میں پڑا ہے؟) پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو گئے ہیں۔ یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے' ایک ایسی کتاب جس کی آیات آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں (جب وہ اس کتاب کو پڑھتے یا سنتے ہیں تو) ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر یادِ الٰہی کی طرف

راغب ہوتے ہیں۔یہ ہے اللہ کا ہدایت دینا' وہ اس (کتاب) کے ساتھ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے (اور گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے) اور جس کو اللہ راہ بھلا دے پھر اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔'' (آیات ۲۲۔ ۲۳)

آیات ۳۲۔۳۳ میں تکذیب اور تصدیق کا ذکر ہے۔ فرمایا:

{فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿ ۳۲ ﴾ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿ ۳۳ ﴾ }

''اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچ کی تکذیب کرے جب سچ اس کے پاس آ جائے؟ تو کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ دوزخ نہیں ؟ اور وہ جو سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی 'یہی لوگ متقی ہیں۔''

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ نے آیت ۳۲ کی تفسیر میں فرمایا: ''اگر نبی نے(معاذ اللہ) جھوٹا خدا کا نام لیا تو اس سے برا کون اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا تو تم سے برا

کون؟'' اس طرح ''مَنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ''اور ''كَذَّبَ بِالصِّدْقِ''کا مصداق الگ الگ قرار دیا۔

آیت ۳۳ کی تفسیر میں شاہ صاحب ؒ نے فرمایا: ''جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی اور جس نے سچ کو مانا وہ مؤمن ہے''۔ اس طرح ''جَآءَ بِالصِّدْقِ''اور ''صَدَّقَ بِهٖٓ''کا مصداق بھی الگ الگ ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک ہی شخصیت کے دو رُخ ہیں ۔یعنی ایک شخص کا اپنا کردار بھی سچائی پر مبنی ہے اور جہاں کہیں اس کے سامنے سچائی آتی ہے' وہ فوراً اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

آیت ۳۶ اور ۳۸ کے دو فقرے ایسے ہیں' جو مراقبہ کے لائق ہیں' یعنی ان کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے اور بار بار انہیں تازہ کرتے رہنا چاہیے۔ فرمایا: {اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ} ''کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں؟''اور {قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿ ۳۸ ﴾ }''(اے نبی ﷺ !) کہہ دیجیے: میرے لیے میرا اللہ کافی ہے' اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔''

جو شخص واقعتا اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے تو پھر اسے یقین رکھنا چاہیے کہ میرے لیے صرف اللہ کافی ہے۔ وسائل و ذرائع پر انحصار کرنا ایک علیحدہ بات ہے' لیکن وہ کبھی یہ نہ سمجھے کہ میں بے یارومددگار ہوں۔ اس کا انحصار اور دار و مدار صرف اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا اللہ کے ساتھ قلبی تعلق گہرا نہیں ہے۔

اس سورۃ کی آیت ۵۳ توبہ کے موضوع پر قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ فرمایا:

{قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

﴿ ۵۳ ﴾ {

''(اے نبی ﷺ !) کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخشنے کا اختیار رکھتا ہے۔ بے شک وہ تو بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

اس سورۂ مبارکہ کا آخری حصہ خصوصی طور پر توحید فی العبادت کے ضمن میں نہ صرف اس سورۃ بلکہ پورے قرآن مجید کا ذروۃ السنام (climax) ہے۔ بڑے تیکھے انداز میں ارشاد ہو رہا ہے:

{قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿ ٦٤ ﴾ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿ ٦٥ ﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿ ٦٦ ﴾ }

''(اے نبی ﷺ ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اے جاہلو' کیا تم مجھے مشورہ دے رہے ہو کہ میں بھی اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگوں؟ اور (اے نبی ﷺ !) ہم آپ کو بھی یہ وحی کر چکے ہیں اور آپ سے پہلے والوں کو بھی کہ (بالفرض) اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے اور آپ بھی خسارہ پانے والوں میں ہوجائیں گے۔ بلکہ آپ اللہ ہی کی بندگی کریں اور شکر گزار بندے بن کر رہیں۔''

آیات ٦٧ سے سورۃ کے آخر تک قیامت اور جنت و جہنم کی منظر کشی کی گئی ہے کہ قیامت کے دن زمین اللہ کی ایک مٹھی میں ہو گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ پھر صور پھونکا جائے گا تو سب بے ہوش ہو جائیں گے' پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو بعث بعد الموت ہو گا اور زمین اپنے ربّ کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ پھر اعمال نامے رکھے جائیں گے' انبیاء اور شہداء آئیں گے اور پھر فیصلہ کیا جائے گا۔ کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور متقی مؤمنین کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو وہ کہیں گے:

{وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿ ٧٤ ﴾ }

''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں وارث بنایا جنت کی زمین کا کہ ہم جہاں چاہیں گھر بنائیں۔ سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا!''

جب اہل جنت اور اہل جہنم کے فیصلے ہو جائیں گے تو اہل جنت دیکھیں گے کہ فرشتے اللہ کے عرش کے گرد چکر لگا رہے ہوں گے اس کی تسبیح اور حمد کرتے ہوئے۔ اور

فیصلہ ہو جائے گا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور وہ یہی کہتے ہیں کہ کل حمد اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔

سُورۃُ المؤمن

اب وہ سات سورتیں آ رہی ہیں جنہیں ہم "حوامیم" یعنی حٰمٓ سیریز کی سورتیں کہتے ہیں ۔ ان سب کی ابتدا ''حٰمٓ'' کے حروفِ مقطعات سے ہو رہی ہے۔ صرف سورۃ الشوریٰ میں ''حٰمٓ'' کے ساتھ "عٓسٓقٓ"کا اضافہ ہے۔ سورۃ المؤمن نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اللہ کی چار بڑی پیاری شانوں کے ساتھ اس سورۃ کا آغاز ہوا ہے:

{حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾}

''ح م 'نزول ہے اس کتاب کا اللہ کی جانب سے جو زبردست ہے' سب کچھ جاننے والا ہے۔ گناہ کا بخشنے والا' توبہ کا قبول فرمانے والا ' سخت عذاب دینے والا اور بڑی مقدرت اور قوت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

سورۃ الزمر کے آخری حصے میں فرشتوں کا ذکر آیا تھا کہ وہ اللہ کے عرش کے گرداگرد چکر لگا رہے ہوں گے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہوئے ۔ یہاں آیات ۷ تا ۹ میں اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ فرشتے اللہ کی حمد کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔ جنت میں ان کے داخلے کی دعا کرتے ہیں اور جہنم کے عذاب اور برائیوں سے بچا لینے کی درخواست بھی کرتے ہیں۔

آگے آیت ۱۱ میں اہل جہنم کی فریاد نقل کی گئی ہے جو علمی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ فرمایا:

{قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَیۡنِ وَ اَحۡیَیۡتَنَا اثۡنَتَیۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَہَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۱۱﴾}

''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار 'تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا' پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا' تو کیا اب یہاں سے نکلنے کا

بھی کوئی راستہ ہے؟''

اب یہ جو دو زندگیوں اور دو موتوں والی بات ہے یہ بہت بڑا علمی مسئلہ ہے 'اس پر میں نے ایک مضمون ''حقیقتِ زندگی'' کے عنوان سے لکھا تھا ۔ اس مسئلہ کو سمجھ لیجیے ۔ انسان کی پہلی تخلیق ارواح کی شکل میں عالم امر یا عالم ارواح میں ہوئی ۔ یہی وہ پہلی زندگی ہے جس میں ارواحِ انسانیہ نے اللہ سے ''عہد الست'' کیا ہے۔ اس کے بعد ان ارواح کو سلا دیا گیا 'یہ پہلی موت ہے۔ پھر ہمارا احیا ہوا اور اس دنیا میں آمد ہوئی ' اب پھر موت آئے گی

اور اس کے بعد آخرت کی زندگی ہو گی۔ اس طرح دو احیاء اور دو اموات ہیں۔ اپنی نشانیوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان سے سبق صرف وہی شخص لیتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

آگے فرمایا: {فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾} ''اور پکارو اللہ کو اُسی کے لیے دین کو خالص کر کے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ یہ بات سورۃ الزمر میں بھی کئی اسلوب سے آئی تھی۔ اب اس سورۃ میں بھی اس کا تذکرہ کر کے توحیدِ عملی کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ عبادت کا دوسرا رُخ چونکہ دعا ہے اس لیے اس سورۃ میں دُعا پر زیادہ زور ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا بہت اہم مضمون جس سے مجھے خصوصی محبت ہے' وہ مؤمن آلِ فرعون کی ایک تقریر ہے۔ آیات ۲۳ تا ۴۵ میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کا ابتدائی تذکرہ ہے تاکہ پس منظر ذرا واضح ہو جائے اور پھر اس مؤمن آلِ فرعون کی تقریر نقل کی گئی ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت ایک آندھی کی شکل اختیار کر رہی ہے تو فرعون نے موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا' لیکن اُس وقت تک آپؑ کی دعوت کافی پھیل چکی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کے خاندان کی ایک بڑی شخصیت بھی ایمان لا چکی تھی' لیکن اُس نے اپنے ایمان کو تاحال چھپا رکھا تھا۔ جب فرعون نے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی قرارداد پیش کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں پناہ میں آتا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی ہر غرور کرنے والے سے جو

حساب کے دن پر یقین نہ رکھے''۔ اس کے بعد مؤمن آل فرعون کھڑے ہوئے اور ایک نہایت جامع اور فصیح و بلیغ تقریر کی۔ پورے قرآن مجید میں کسی رسول کی بھی اس قدر طویل تقریر نقل نہیں ہوئی ہے جتنی اس مؤمن آل فرعون کی ہوئی ہے۔ انہوںنے دورانِ خطاب کہا:

{اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾}

''(ہوش میں آئو!) کیا تم اس شخص کو صرف اس جرم میں قتل کرنے کے درپے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اور اگر یہ جھوٹا ہے تو جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر یہ سچا ہے تو تم کو وہ عذاب پہنچے گا جس سے یہ تمہیں خبردار کرتا ہے۔ یقیناً اللہ راہ یاب نہیں کرتا ان لوگوں کو جو حد سے تجاوز کرنے والے اور جھوٹے ہیں۔''

یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس وقت کہے جب لوگوں نے نبی کریم ﷺ پر دست درازی کی تھی۔

اس کے بعد اس مؤمن آل فرعون نے لوگوں کو اللہ کے اُس عذاب سے بھی خبردار کیا جو پہلی قوموں مثلاً قوم نوح‘ قوم عاد‘ اور قوم ثمود پر آچکا ہے اور دنیا کے عذاب کے علاوہ قیامت کے عذاب سے بھی خبردار کیا۔ مؤمن آل فرعون نے ان کو بتایا کہ آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اسے ذہن نشین کر لو اور اگر آج تم نے میری بات نہ مانی تو ایک وقت آئے گا کہ تمہارے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ (آیات ۲۸ تا ۴۴)

آیت ۶۰ اس سورت کے مرکزی مضمون کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ فرمایا:

{وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾}

’’اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے

بہت ہی ذلیل و خوار ہو کر۔‘‘

درحقیقت دُعا ہی عبادت ہے‘ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) (ترمذی) اور اللہ سے دعا نہ کرنا ہی تکبر ہے۔ یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت ۶۵ اور ۶۶ میں وہی مضمون ہے جو پچھلی سورت میں بیان ہوا۔ فرمایا:

’’وہ (اللہ) زندہ جاوید ہستی ہے‘ اس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ پس اُسی کو پکارو بندگی اور دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ کل حمد و تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے ان کی بندگی اور پرستش سے جنہیں تم پکارتے ہو اللہ کے سوا‘ جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے نشانیاں آچکی ہیں‘ اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کے سامنے سر تسلیم خم کروں۔‘‘

سُورۃُ حٰمٓ السّجدَۃ

یہ سورۂ مبارکہ چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانۂ نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے کا ہے۔ روایت ہے کہ ایک روز کچھ سردارانِ قریش مسجد حرام میں جمع تھے اور مسلمانوں کی تعداد میں روزافزوں اضافہ سے پریشان تھے۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ بھی ایک گوشہ میں تنہا تشریف فرما تھے۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے آپؐ کے پاس کچھ نصیحتیں کرنے کے

ارادے سے پہنچا تاکہ آپؐ کو اپنے مشن سے باز آجانے پر آمادہ کیا جا سکے۔ اس نے آپ سے کہا کہ دیکھو تم ایک اعلیٰ خاندان کے فرد ہو مگر تم نے اپنے پورے قبیلہ اور قوم کو اپنی دعوت کی وجہ سے تفرقہ میں مبتلا کر دیا ہے اور ساری قوم کو بے وقوف ٹھہرایا ہے۔ تمہاری باتوں سے تو یہ بھی لگتا ہے کہ ہم سب کے باپ دادا کافر تھے ۔ میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس کام سے اگر تمہارے کوئی خاص مقاصد ہیں تو ہم وہ پورا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ تمہیں مال چاہیے تو وہ تمہیں مل جائے گا ' بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں' بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر تمہیں

کوئی بیماری لاحق ہے یا تم پر کوئی جن آتا ہے (معاذ اللہ ،نقل کفر کفر نہ باشد) تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا بہترین علاج کرادیتے ہیں ،لیکن یہ کام چھوڑ دو۔ آپ ﷺ نے اس تمام تقریر کے جواب میں اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت فرمائی اور عتبہ سے کہا کہ تم نے میرا جواب سن لیا !عتبہ جب اپنے ساتھیوں کی طرف واپس روانہ ہوا تو اس کا چہرہ متغیر تھا۔اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جو خدا کی قسم' نہ شعر ہے' نہ سحر اور نہ کہانت۔ میری بات مانو تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو' یہ کلام کچھ نہ کچھ رنگ لا کر رہے گا۔ اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو وہ اس سے خود نمٹ لیں گے اور تم اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے سے بچ جاؤ گے ،لیکن اگر وہ اہل عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہی اور عزت تمہاری ہی بادشاہی اور عزت ہو گی۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے :

{حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾}

''ح م ' اس قرآن کا نزول اُس ہستی کی طرف سے ہے جو رحمن اور رحیم ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں ایک قرآنِ عربی کی صورت میں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ (یہ قرآن) بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا ہے ' مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے اعراض کیا گویا کہ وہ سنتے ہی نہیں۔''

آگے فرمایا کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ ''جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ' ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے''۔ اس کا جواب دیا گیا کہ تم خواہ اپنی آنکھیں اور کان بند کر لو اور دلوں پر غلاف چڑھا لو مگر جان رکھو کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے ،لہٰذا تم سیدھے اسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے معافی چاہو۔ آگے آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا کہ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم کو اسی طرح کے اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے خبردار کرتا ہوں' جیسا کہ عاد و ثمود پر آیا تھا۔ آیات ۲۰' ۲۱ میں فرمایا کہ قیامت کے روز جب لوگوں کا محاسبہ ہو گا تو ان کے

کان‘ آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔
آیت ۲۶ میں کفار کا ایک قول نقل ہوا ہے :
{وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ الۡغَوۡا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ﴿۲۶﴾}
’’اور کہنے لگے وہ لوگ جنہوںنے کفر کیا کہ نہ سنا کرو اس قرآن کو اور (جب یہ سنایا جائے تو) اس میں خلل ڈالو تاکہ تم غالب آجائو۔‘‘
کفار کی نبی کریم ﷺ سے کوئی ذاتی رنجش نہیں تھی‘ ان کی اصل عداوت اور دشمنی قرآن مجید سے تھی۔ انہوںنے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو مبادا اس کا اثر تمہارے دلوں تک پہنچ جائے اور تم اپنے باپ دادا کے دین سے پھر جائو۔ یعنی کفار بھی یہ مانتے تھے کہ اس قرآن کی تاثیر سے قلوب تبدیل ہوتے چلے جائیں گے۔
آیت ۳۰ سے ۳۶ تک سات آیات ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ یہ آیات ذاتی سطح پر عبادت‘ توحید فی العبادت اور اخلاص فی العبادت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ فرمایا:
’’یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر جم گئے تو ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ نہ خوف کھائو اور نہ غم کو قریب آنے دو اور خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ۔ ہم ہیں تمہارے ساتھی دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی‘ اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کی خواہش تمہارے دل میں ہو اور تمہیں وہاں سب کچھ ملے گا جو تم مانگو گے ۔ یہ مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے۔ اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو گی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔ تم بدی کو اُس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو‘ پھر تم دیکھو گے کہ وہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی‘ وہ تمہارا دوست اور قرابت والا بن جائے گا۔ اور اس مقام تک صرف وہ پہنچتے ہیں جن میں صبر کا مادہ ہے‘ اور اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے مگر بڑے نصیب والے ۔ اور اگر تمہیں شیطان

کی طرف وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو‘ وہ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔‘‘ (آیات ۳۰ ۔ ۳۶)
آخر میں اللہ ربّ العزت نے اپنی نشانیوں کے حوالے سے بتایا:
{سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ اَوَ لَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾}
’’ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں بھی اور انفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہوجائے کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ آپ کا ربّ ہر چیز کا شاہد ہے۔‘‘
اس میں غالباً اشارہ ہے سائنسی ترقی کی جانب۔ سائنسی علوم میں جتنی بھی ترقی اور ارتقاء آج تک ہوا ہے اس حوالہ

سے ایک بھی ایسی حقیقت اب تک سامنے نہیں آئی جس سے قرآن کی بتائی ہوئی کوئی بات غلط ثابت ہوئی ہو۔ اس کے برعکس جیسے جیسے علم انسانی آگے بڑھ رہا ہے قرآن مجید کی حقانیت مزید مبرہن ہوتی چلی جا رہی ہے۔

سُورۃُ الشُّوریٰ

پانچ رکوعوں پر مشتمل یہ سورۂ مبارکہ اپنے مضامین کے لحاظ سے سورۂ حٰم السجدۃ کا تتمہ محسوس ہوتی ہے' اس لیے کہ آغازِ کلام کے انداز سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس کے پس منظر میں وہ چہ میگوئیاں ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور قرآن حکیم کے مضامین کے حوالہ سے پورے مکہ میں ہو رہی تھیں۔ اس سورہ میں بہت سے اہم مقامات ہیں۔ آیات ۱۳ تا ۱۵ میں توحید فی العبادہ اور اخلاص فی العبادہ کا معاملہ جو اجتماعی سطح پر ہونا چاہیے' بیان ہوا ہے:

''(اے نبی ﷺ!) آپ کے لیے (اللہ تعالیٰ نے) دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی وصیت حضرت نوح علیہ السلام کو کی گئی تھی' اور جو آپؐ کی جانب ہم نے وحی کی ہے اور جس کی ہدایت ہم نے کی تھی حضرات ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کہ دین (جو ہم نے دیا ہے اس) کو قائم کرو (یہ بات یاد رکھیں کہ دین نہ تو کسی

ریسرچ یا تحقیق کے لیے آیا ہے نہ ہی تصنیف و تالیف کے لیے' بلکہ اس کی غرض و غایت تو یہ ہے کہ یہ قائم ہو) اور اس کے بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جائو۔ یہ بات مشرکین کے لیے بڑی بھاری اور ناگوار ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں (یعنی اجتماعی سطح پر پورا نظامِ توحید پر قائم ہو جائے۔ یہ تو ان کے لیے پروانہ موت سے کم نہیں جس کو یہ ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔) اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کو چاہے اور جو کوئی اس کی جانب رخ کرتا ہے اسے وہ ضرور ہدایت دیتا ہے۔ اور لوگوں نے جو تفرقہ ڈالا وہ اس کے بعد ڈالا کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' یہ تو صرف آپس کی ضدم ضدا ہے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لیے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس کی طرف سے شبہ کی الجھن میں ہیں۔ تو (اے محمد ﷺ!) آپ اس کی دعوت دیتے رہیے اور ڈٹے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے' اور اعلان کر دیجیے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے' اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ اللہ ہی ہمارا ربّ ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں۔ ایک دن آنے والا ہے جب اللہ ہمیں جمع کرے گا اور بالآخر اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔'' (آیات ۱۳ تا ۱۵)

رزق کے حوالے سے اس سورۃ میں دو آیات (۱۹ اور ۲۷) ہیں۔ ارشاد ہوا: {اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ ہُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ﴿۱۹﴾} ''اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے (وسیع) رزق دیتا ہے' اور وہ زور والا اور زبردست ہے''۔ آیت ۲۷ میں فرمایا: {وَ لَوۡ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ لٰکِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۲۷﴾} ''اور اگر اللہ اپنے (تمام) بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین میں فساد کرنے لگتے۔ لیکن وہ جس قدر چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے''۔ اگر

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ سب زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے اور دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جاتا۔ امیر اور غریب کا یہ فرق ہی اس نظام کی بقا ہے۔

آیات ۲۸ سے ۳۵ تک 'اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اگلی آیات (۳۶ تا ۳۹) میں مؤمنین کی صفات کو بیان کیا۔ فرمایا:

''جو کچھ تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سروسامان ہے 'اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی' وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کرتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اپنے معاملات مشورے سے چلاتے ہیں' اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں' اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔'' (آیات ۳۶ تا ۳۹) آیات ۴۰ تا ۴۳ میں ظلم و زیادتی پر انتقام لینے کی اجازت دی گئی جبکہ معاف اور درگزر کرنے کو بڑی ہمت کا کام قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے 'مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کرے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔ یقیناً اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر بدلہ لے لے وہ شخص جس پر ظلم ہوا ہے تو ایسے شخص پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دہ عذاب ہوگا۔ اور جو صبر کرے اور (قصور) معاف کر دے تو یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

آیات ۴۹ اور ۵۰ میں اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا کہ اولاد اور بیٹا بیٹی دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ فرمایا:

{لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿۴۹﴾ اَوۡ یُزَوِّجُہُمۡ ذُکۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ} {یَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ

عَقِیۡمًا ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾ }

''تمام بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی۔ وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے ۔جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔یا کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرماتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے ۔یقینا وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔''

مجھے اس سورۂ مبارکہ (سورۃ الشوریٰ) سے انتہائی تعلق خاطر ہے اور میری نگاہ میں مدنی سورتوں میں جو مقام سورۃ الحدید کا ہے 'مکی سورتوں میں وہی مقام سورۃ الشوریٰ کا ہے۔

سُورۃُ الزُّخرُف

سورۃ الزخرف چھوٹے چھوٹے سات رکوعوں پر مشتمل ہے۔ مضامین کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اور سورۃ الدخان جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان دونوں سورتوں کا آغاز {حٰمٓ ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ }سے ہوتا ہے۔ سورۃ کے آغاز میں فرمایا :

{حٰمٓ ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ﴿۳﴾ }

''ح' م ۔ قسم ہے اس کتاب کی جو بالکل واضح ہے اور ہم نے اسے قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے ۔ لہٰذا جس طرح اللہ کی ذات کسی بھی پیمانہ میں آنے والی نہیں اسی طرح سے اس کی صفات بھی مطلق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اس ازلی کلام نے عربی قرآن کی شکل اختیار کی ہے جو ہمارے سامنے ہے۔یہاں بڑے پیارے انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے بنایا ہے اس کو قرآن عربی تاکہ تم سمجھ سکو۔ چونکہ اس کے اوّلین مخاطب عرب ہی تھے اس لیے اس اعتبار سے تو بات بالکل واضح ہے کہ ان کو مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ اس کو قرآن عربی اس لیے بنایا ہے تاکہ تمہارے اور اس کے مابین کوئی حجاب اور فصل نہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ دنیا بھر کی زبانوں میں اپنی وسعت کے لحاظ سے عربی

ہی وہ زبان ہے جو اللہ کے ابدی کلام کو اپنے دامن میں لے سکتی ہے اور یہی وہ زبان ہے جسے کماحقہ سمجھا جا سکتا ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا: {وَ اِنَّہٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴿۴﴾}''اور بے شک یہ قرآن ہمارے پاس اُم الکتاب (لوح محفوظ)میں بہت ہی عالی ترتیب و حکمت سے معمور ہے''۔ یہ قرآن مجید کی شان ہے کہ وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے اور وہیں سے یہ کلام بذریعہ وحی الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر اُترا ہے۔ ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ کیا ہم تمہاری طرف سے یہ ذکر پھیر دیں گے اس وجہ سے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو؟ یعنی یہ واضح کر دیا گیا کہ تم لوگوں کی ہٹ دھرمیوں اور نادانیوں کی وجہ سے ایسے عظیم کلام کی تنزیل بند نہیں کی جا سکتی۔

آیات ٦ تا ١١ میں سابقہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کو بیان کیا۔ اس کے بعد آیات ١٢ تا ١٤ میں ایک اہم مضمون بیان ہوا۔ فرمایا:

{وَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾}

''(اللہ وہ ذات ہے) جس نے سب چیز کے جوڑے بنائے اور بنائیں تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم چڑھو اس کی پیٹھ پر اور اپنے ربّ کا احسان یاد کرو جب تم اس (سواری) پر (اچھی طرح) بیٹھ چکو تو یہ (دعا) پڑھو: پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا ورنہ ہم اسے قابو میں نہیں کر سکتے تھے، اور ہمیں اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔''

انسان ہاتھی جیسے جانور پر سواری کرتا ہے، اسی طرح گھوڑوں، اونٹوں، کشتیوں، بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں پر سواری کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ سوار ہوتے وقت یہ دعا ضرور پڑھ لے، کیونکہ اللہ ہی نے ان چیزوں کو انسان کے تابع کیا ہے ورنہ انسان ہاتھی جیسے جانور کو اپنے تابع کیسے کر سکتا ہے!

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کے ناشکرے پن کا شکوہ کرتا ہے کہ انسان اس کی نعمتوں کا شکر کرنے کے بجائے اس کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے اور وہ بھی بیٹیاں، حالانکہ

انسان اپنے لیے بیٹیوں کے بجائے بیٹوں کو پسند کرتا ہے۔ فرمایا:

''اور ٹھہرائی ہے انہوں نے اللہ کے لیے اولاد اس کے بندوں میں سے۔ بے شک انسان کھلا ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تم کو دے دیے چن کر بیٹے؟ اور جب ان میں سے کسی کو خوشخبری دی جائے اس چیز کی جس کو انہوں نے رحمن کے نام لگایا (یعنی بیٹی) تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ

غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی بیٹی ہو سکتی ہے؟) اور انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا ہے۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے بازپرس کی جائے گی۔'' (آیات ۱۵ تا ۱۹)

اس سورہ کی آیات ۸۱ تا ۸۳ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان سے کفار کی اس بات کا جواب بایں الفاظ دیا ہے:

{قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿ ۸۱ ﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿ ۸۲ ﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿ ۸۳ ﴾}

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آسمانوں، زمین اور عرش کا مالک اس سے پاک ہے۔ آپؐ ان کو فضول گوئی اور کھیل تماشے میں منہمک رہنے دیجیے یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں اس دن کو جس کی ان کو دھمکی دی جاتی ہے۔''

آیات ۳۰ اور ۳۱ میں کفار کے قرآن حکیم پر کیے گئے دو اعتراضات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اعتراضات قرآن حکیم کے توسط سے درحقیقت نبی کریم ﷺ کی رسالت پر تھے۔ فرمایا:

{وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿ ۳۰ ﴾ وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿ ۳۱ ﴾}

''اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟''

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان کے مابین دنیوی زندگی کا سامانِ معیشت تقسیم کر دیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ آپ کے رب کی رحمت بہت بہتر ہے اس سے جو یہ جمع کرتے ہیں۔''

سورۃ الانعام میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ} (آیت ۱۲۴) ''اللہ خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا اہل کون ہے اور) کس کو اپنی پیغمبری عنایت فرمائے۔''

کفار کے پہلے اعتراض کہ یہ قرآن جادو ہے، کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿ ۴۴ ﴾} ''اور یہ (قرآن) آپؐ کے لیے اور آپؐ کی قوم کے لیے نصیحت ہے، اور تم لوگوں سے عنقریب (اس کے بارے میں) پوچھا جائے گا۔''

اس کے بعد یہ اہم مضمون بیان ہوا کہ ان لوگوں کی نگاہوں میں ساری اہمیت سیم و زر کی ہے جبکہ ہماری نگاہوں میں ان کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ فرمایا:

{وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِہِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّۃٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیۡہَا یَظۡہَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِبُیُوۡتِہِمۡ اَبۡوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیۡہَا یَتَّکِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَ زُخۡرُفًا ؕ وَ اِنۡ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۵﴾}

''اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک اُمت بن جائیں گے (یعنی کافر ہو جائیں گے اور ہم سے سبھی اپنا منہ موڑ لیں گے) تو جو لوگ رحمن کا انکار کرتے ہیں

ہم ان کے گھر کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر یہ تکیہ لگاتے ہیں۔ اور خوب تجمل (و آرائش کر دیتے ' مگر یہ یاد رکھو کہ) یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے' اور آخرت (کی عیش و عشرت) آپؐ کے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

اس کے بعد آیت ۴۶ سے ۵۶ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اس تذکرہ میں یہاں ایک خاص بات آئی ہے اور وہ ہے شرک فی الملک یعنی بادشاہت میں شرک۔ بادشاہِ حقیقی صرف اللہ ہے 'اس لیے جو کوئی بھی بااختیار یا بادشاہِ مطلق کا دعویٰ کرتا وہ درحقیقت خدائی کا دعوے دار ہے۔ فرعون نے بھی اپنی قوم میں یہی ندا لگائی: {اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَ ہٰذِہِ الۡاَنۡہٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۱﴾}''کیا میرے لیے نہیں ہے مصر کی بادشاہی؟ اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے چل رہی ہیں (کیا میرے انتظام میں نہیں) کیا تم دیکھتے نہیں؟'' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بے شک میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کی کوئی حیثیت نہیں اور جو صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا ہے۔ [یہ بالکل وہی بات ہے جو کفار نے نبی کریم ﷺ کے لیے کہی تھی کہ یہ تو بے حیثیت ہے 'اس کی جگہ کوئی بڑا شخص ہوتا تو ہم اس کی بات ضرور مانتے۔] تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے!''

یہ ہے شرک فی الملک 'یعنی فرعون نے بادشاہِ مطلق کا دعویٰ کیا 'جبکہ اللہ تعالیٰ کو یہ دعویٰ ناپسند اور غصہ دلانے والا ہے۔ اس پر اللہ نے اس سے اور اس کے پیروکاروں سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا۔

اگلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا اور اس تذکرہ میں یہ اہم بات بھی آئی: {وَ اِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِہَا وَ اتَّبِعُوۡنِ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۱﴾}''اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہیں' پس اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو۔ یہی

سیدھا راستہ ہے''۔ جو حالات و واقعات قربِ قیامت میں پیش آنے والے ہیں ان میں سے ایک اہم واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔ چنانچہ آپؑ کے ذکر کے آخر میں ارشاد ہوا : ''کیا یہ لوگ اب صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ اچانک ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو !''

سُورۃُ الدُّخَان

یہ سورئہ مبارکہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزخرف کے آغاز میں ذکر ہوا کہ یہ دونوں سورتیں جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں اور دونوں کی ابتدا {حٰمٓ ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾} کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے :{اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾}''ہم نے اس کو نازل کیا ہے ایک مبارک رات میں (اور) ہم تو خبردار کرنے والے ہیں۔''

قرآن مجید میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ (الفاظ یا اسلوب کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ) ضرور آتے ہیں۔ اس طرح کا مضمون آخری پارہ میں سورۃ القدر میں دوبارہ آیا ہے ۔ وہاں اس رات کو ''لیلۃالقدر'' کہا گیا ہے۔ فرمایا : {اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ﴿۱﴾}''ہم نے اس کو نازل کیا لیلۃ القدر میں''۔بعض لوگوں نے نا سمجھی کی وجہ سے ان کو دو راتیں سمجھ لیا ہے' حالانکہ یہ ایک ہی شب ہے جس کا ذکر دو جگہوں پر ہوا ہے۔ اس آیت میں اس کے نزول کی وجہ خبردار کرنا بتایا گیا ہے ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ کوئی بہادر شخص بے خبری میں حملہ نہیں کرتا بلکہ پہلے خبردار کرتا ہے اور پھر حملہ کرتا ہے ' اس طرح اللہ تعالیٰ نے بھی کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجا جب تک کہ اپنے رسولوں کے ذریعے اُس قوم کو اچھی طرح خبردار نہ کر دیا ہو اور اُن پر حجت نہ قائم کر دی ہو۔ اگلی آیت میں اس رات کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:{فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ﴿۴﴾} ''یہ وہ رات ہے کہ جس میں ہر اہم معاملے کا فیصلہ چکا دیا جاتا ہے'' ۔یعنی جو بھی اہم معاملات ہیں وہ اس رات میں طے کیے جاتے ہیں 'اس لیے اس رات میں نزولِ قرآن

کا آغاز ہوا۔

سورۃ الزخرف میں قیامت کی ایک نشانی نزولِ عیسیٰ کا تذکرہ آیا تھا 'اب اس سورہ کی آیت ۱۰' ۱۱ میں بھی

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ''دخان'' یعنی ''دھواں'' کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: {فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغْشَی النَّاسَ ؕ ہٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾} ''تو اس دن کا انتظار کرو کہ جب آسمان سے صریح دھواں نکلے گا ‘جو لوگوں پر چھا جائے گا ۔ یہ درد دینے والا عذاب ہے۔''

اگلی آیت میں نافرمانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ اس نشانی کو دیکھ کر پکار اٹھیں گے: ''اے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے ‘ہم ایمان لاتے ہیں'' (آیت ۱۲) ۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اب ان کو نصیحت کہاں مفید ہو گی جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر آ چکے جو کھول کھول کر بیان کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اُن سے روگردانی کی اور کہنے لگے کہ یہ تو سکھلائے ہوئے یا جنات کے سائے میں ہیں۔'' (آیات ۱۳۔ ۴۱)

اگلی آیات میں کفار کے لیے بطور امثال فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ جیسے ہم نے تم تک اپنا پیغامِ ہدایت پہنچانے کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا اسی طرح اس سے پہلے ہم نے اپنے پیغمبروں کو مختلف اقوام کی طرف بھیجا۔ پھر جس قوم نے نافرمانی کی تو ہم نے اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔ ان میں سے ایک آل فرعون ہے جس کی طرف عالی قدر پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: {وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْکُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾} ''اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو۔ بے شک میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں ۔اور اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو ‘میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ سے دور ہو جائو''۔ اس کے بعد فرمایا کہ فرعون نے سرکشی کی تو اس کے جواب میں ہم نے اس کے پورے لشکر کو غرق کر دیا اور ان کو ذرا مہلت نہ دی۔

آیت ۳۴‘۳۵ میں فرمایا: {اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ ہِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾} ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ مرنا ہے اور (پھر) اٹھنا نہیں''۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُہُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۰﴾} ''بے شک فیصلے کا دن ان سب (کے اٹھنے کا) وقت ہے۔''

اگلی آیات میں سرکشوں اور اپنے پروردگار کا حکم نہ ماننے والے منکرین کے کھانے کا بیان ہے کہ زقوم (کڑوا ترین درخت) ان کا کھانا ہو گا اور تیل کی تلچھٹ جیسا کھولتا ہوا پانی ان کا پینا ہو گا اور پھر ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا: ''یہ وہی ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔'' (آیت ۵۰)

آیات ۵۱ سے ۵۷ تک جہنمیوں کے مقابلے میں اہل جنت اور ان کے انعامات کا تذکرہ ہے۔ یہ قرآن پاک کا اسلوب ہے کہ ایک چیز کو بیان کرنے کے بعد اس کی ضد کو بھی ساتھ ہی بیان کرتا ہے تاکہ فرق واضح

ہوجائے۔ فرمایا: {اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿ۚ۵۲﴾} ''بے شک پرہیزگار امن کی حالت میں ہوں گے (یعنی) باغوں اور چشموں میں''۔مزید فرمایا کہ ان کا لباس خالص ریشم کا ہو گا' خوبصورت حوریں ہوں گی' ہر طرح کے میوے ہوں گے 'اور یہ صرف ایک دفعہ ہی (دنیا میں) موت کا مزہ چکھیں گے 'پھر ابدی حیات ہو گی جس میں مرنا نہیں ہو گا۔ آخر میں فرمایا: {فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۵۷﴾} ''یہ تمہارے پروردگار کا فضل ہے۔یہی تو بڑی کامیابی ہے۔'' اللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

آیت ۵۸ میں فرمایا:{فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾} ''(اے نبی ﷺ!) ہم نے اس کتاب کو آپ کی زبان میں آسان بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں''۔یعنی اس قرآن کو ہم نے عربی میں نازل کیا جو آپؐ کی مادری زبان ہے' اس لیے یہ آپؐ کی زبان سے بڑی سہولت کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی بہرحال نہیں ہیں کہ اس کے مضامین میں گہرائی نہیں ہے۔ اصل اعجاز تو ہوتا ہی ''سہل ممتنع'' میں کہ الفاظ تو آسان ہوں لیکن مضامین ایسے گہرے ہوں کہ تدبر کرنے کے لیے

اس کی گہرائیوں میں اترا جائے۔ قرآن بھی بعینہٖ اسی حیثیت کا مالک ہے۔ اسی لیے تو امرء القیس (جاہلی دور کا بڑا شاعر) اس کلام کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کوئی بھی اس کے مثل کلام نہ لا سکا۔

سُورۃُ الجَاثِیَۃ

یہ سورۂ مبارکہ چار رکوعوں پر مشتمل ہے۔ مضامین کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اور اس کے بعد آنے والی سورۃ الاحقاف جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان دونوں سورتوں کا آغاز {حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾} سے ہو رہا ہے۔اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کی سورۃ الدخان کے مضامین کے ساتھ بھی گہری مشابہت ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ الدخان کے فوراً بعد یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔ اس کا موضوع بھی توحید اور آخرت کے متعلق کفارِ مکہ کے اعتراضات کا جواب دینا اور ان کو ان کے اس رویہ پر متنبہ کرنا ہے جو انہوں نے قرآن کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کر رکھا تھا۔ سورۃ کے آغاز میں فرمایا:

{حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾}

''ح م۔ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے۔''

آیات ۳ سے ٦ تک اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل اور اپنی ان نشانیوں کا تذکرہ کیا ہے جس کا سب مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرمایا:

''بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور تمہاری پیدائش اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے 'یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں 'اور وہ جو اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ(بنجر) ہوجانے کے بعد زندہ کیا 'اور ہوائوں کے بدلنے میں (بھی) عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ (کی قدرت) کی نشانیاں ہیں جو ہم آپ کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں ۔ تو یہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس

پر ایمان لائیں گے؟'' (آیات ۳ تا ٦)

اس طرح آیات ۱۲ '۱۳ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں اور بنی نوعِ انسان پر کیے گیے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان سب کو تمہارے تابع کر دیا۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔ ''

آگے ان نشانیوں کے باوجود اپنے کفر پر اڑے رہنے والوں کے دردناک انجام کا تذکرہ ہے ۔ فرمایا: {فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۙ﴿ ۸ ﴾}''ایسے شخص کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو'' ---- {اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ؕ﴿ ۹ ﴾}''ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے''----{وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿ ۱۰ ﴾}''اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے''----{لَہُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ ﴿ ۱۱ ﴾}''ان کو سخت قسم کا درد دینے والا عذاب ہوگا۔''

آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کے حوالے سے ایک خاص اصول بیان کر دیا۔ فرمایا: {مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡہَا ۟ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿ ۱۵ ﴾} ''جو کوئی نیک کام کرے گا تو اپنے لیے کرے گا اور جو برا کرے گا اس کا ضرر اسی کو ہو گا' پھر تم سب اپنے رب کی طرف لوٹا دیے جائو گے''۔ یہاں یہ یاد رکھیں کہ آپ ایمان لائے یا کوئی نیک کام کر رہے ہیں تو یہ کسی پر احسان نہیں کر رہے۔ یہ عمل آپ اپنے لیے کر رہے ہیں۔

آگے آیات ١٦ تا ١٨ میں بنی اسرائیل کے حوالہ سے ارشاد ہو رہا ہے :

''ہم نے ان کو کتاب ' حکمت اور نبوت عطا فرمائی اور ان کو عمدہ سامانِ زیست دیا اور دنیا بھر کے لوگوں پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔ دین کے معاملہ میں ان کو واضح ہدایات دیں' پھر علم آجانے کے بعد ان کے درمیان آپس کی

ضد کی وجہ سے اختلاف ہوا۔ قیامت کے دن اللہ ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے۔ (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک

صاف شاہراہ یعنی شریعت پر قائم کیا ہے لہٰذا آپ اسی پر چلتے رہیے اور ایسے لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کیجیے جو علم نہیں رکھتے۔''

تیسرے رکوع میں دہریت کا مضمون بتمام و کمال بیان ہوا ہے ‘فرمایا:

{اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ وَ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَ قَلۡبِہٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ؕ فَمَنۡ یَّہۡدِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾}

''کیا تم نے غور کیا اس شخص کے حال پر جس نے خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اس کو اس کے تمام تر علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اب کون ہے جو اس کو ہدایت دے ؟ تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟''

اس بات کو اگر آج کے دور پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو آج کل کیسا کیسا علم وجود میں آ چکا ہے اور سائنس و ٹیکنالوجی کس درجہ تک ترقی کر رہی ہے لیکن بجائے اس کے کہ اس علم کی ترقی سے لوگوں کی بصیرت میں اضافہ ہوتا وہ حقیقت سے دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اگلی آیت میں دہریت کے اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: ''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے‘ ہم خود مرتے ہیں اور خود جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک کرنے والی شے محض گردشِ ایام ہے۔ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں ‘ یہ صرف گمان سے کام لیتے ہیں''۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ کائنات آپ سے آپ چل رہی ہے اور رواں دواں ہے ۔ آپ سے آپ ہی چیزیں بن رہی ہیں اور ختم ہو رہی ہیں۔ ہم نہیں مانتے کہ اور کوئی بالاتر ہستی یا طاقت ہے جس کا ارادہ یا مشیت یہاں کارفرما ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(اے نبی ﷺ) کہہ دو اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے ۔ پھر وہ تم کو قیامت کے روز ‘ جس میں کوئی شک نہیں ‘جمع کرے گا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے۔'' (آیت ۲۶)

آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں کفار کا قول نقل کیا جو قیامت کو

محض گمان خیال کرتے تھے۔ فرمایا: ''اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے‘ ہم اس کو محض گمان خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا''۔ اگر ہم غور کریں تو اس وقت قیامت کے حوالے سے ہم میں سے اکثریت کا حال یہی ہے کہ ہم بھی آخرت کو ایک گمان سمجھتے

ہیں کہ شاید ایسا ہو۔ اگر ہمارا دل آخرت اور قیامت کے قیام کے حوالے سے مطمئن ہو جائے تو اس سے ہماری زندگی میں عملی اعتبار سے ایک انقلاب عظیم برپا ہو جائے گا ‘لیکن یہ وہ چیز ہے جو آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں۔

آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کبریائی اور بڑائی کو اپنے لیے مختص کرتے ہوئے فرمایا: {وَ لَہُ الۡکِبۡرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۷﴾} ’’اور آسمانوں اور زمین میں اسی (اللہ) کی بڑائی ہے۔ اور وہ غالب اور دانا ہے‘‘۔ انسانوں کے لیے تکبر کسی صورت جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث قدسی میں یہ الفاظ آتے ہیں : ’’تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا لباس ‘جس نے مجھ سے ان میں سے کسی ایک پر جھگڑا کیا تو میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔‘‘ (ابوداؤد)

سُورۃُ الاَحقَاف

یہ سورۂ مبارکہ چار رکوعوں پر مشتمل ہے اور یہ مضامین کے اعتبار سے سورۃ الجاثیہ کا جوڑا ہے۔ اس میں کفارِ مکہ کو ان گمراہیوں کے نتائج سے خبردار کیا گیا ہے جن میں نہ صرف وہ مبتلا تھے بلکہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اُن پر جمے ہوئے تھے اور الٹا اس شخص کو ہدفِ ملامت بنا رہے تھے جو انہیں ان گمراہیوں سے نکالنے کے لیے کوشاں تھا۔ قرآن کو اللہ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور قیامت ‘ حیات بعد الموت اور سزا و جزا کی باتوں کو ایک من گھڑت افسانہ سمجھتے تھے ۔ آغازِ کلام ہو رہا ہے :

{حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾}

’’ح ‘م ۔ اس کتاب کا نزول ہے اس ہستی کی طرف سے جو العزیز اور الحکیم ہے۔‘‘

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جن سے سورۃ الجاثیہ کی ابتدا ہوئی تھی ۔ اس سورۃ کی آیت ۹ ایک اہم آیت ہے جس میں فرمایا گیا :

{قُلۡ مَا کُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَ لَا بِکُمۡ ۟ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۹﴾}

’’(اے نبی ﷺ !) ان سے کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا نویلا رسول تو نہیں ہوں اور مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کل میرا کیا بنے گا اور تمہارا کیا بنے گا؟ میں تو اسی کی پیروی کر رہا ہوں (اور عمل کر رہا ہوں) کہ جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے اور میں سوائے کھلے کھلے خبردار کردینے والے کے اور کچھ نہیں۔‘‘

یہ بڑی لرزا دینے والی آیت ہے۔ ایک تو اس سے لفظ بدعت کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا کہ بالکل نئی چیز جو پہلے سے نہ چلی آرہی ہو بلکہ نئی ایجاد ہو' وہ بدعت کہلاتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ کہہ دو مجھے خود کچھ پتا نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اور تمہارے ساتھ کیا۔ انسان اس پر غور کرے تو یہ جملہ لرزہ طاری کر دینے والا ہے۔

آیت ۱۲ میں موسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل ہونے والی تورات کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ یہ قرآن اس کا مصدق (تصدیق کرنے والا) ہے۔ فرمایا:

{وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ ہٰذَا کِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۟ وَ بُشۡرٰی لِلۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۲﴾}

''اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (لوگوں کے لیے) امام تھی اور رحمت بھی۔ اور اب یہ عربی زبان میں نازل شدہ کتاب (یعنی قرآن) اس پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے تاکہ ظالموں کو متنبہ کرے اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو بشارت دے دے۔''

آیت ۱۵ میں والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس ضمن میں سلیم الفطرت انسان کا تذکرہ کیا ہے جو اللہ کے انعامات کا شکر بجا لانے کے لیے اللہ سے توفیق کی بڑی بلیغ اور جامع دعا کرتا ہے' فرمایا:

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے باوجود پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے ہی جنا۔ اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا اڑھائی برس میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر بجالائوں اس احسان کے بدلے جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے اور (اس کی بھی توفیق دے) کہ میں نیک عمل کروں جس کو تو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔''

یہ الفاظ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں بھی آ چکے ہیں۔ یہاں والدین کے لیے بھی دعا ہو رہی ہے اور اولاد کے لیے بھی کہ میری اولاد بھی صالح بنے۔ اس لیے کہ اگر کسی نیک انسان کی اولاد صالح نہیں ہے تو وہ بجائے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کے اس کے لیے مسلسل کوفت کا موجب بنی رہے گی۔

دوسری بات یہ کہ صالح اولاد سب سے بڑا صدقہ جاریہ ہے۔ انسان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کے اپنے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن اس کے حساب میں اس کی اولاد کے اعمالِ صالحہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے سورۃ الفرقان میں اولاد کے لیے ایک دعا سکھلائی گئی ہے۔ فرمایا:

{رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾} ''اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔''

اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ انسان چالیس سال کی عمر میں سن رُشد کو پہنچ جاتا ہے ۔ اسی کو بنیاد بناتے ہوئے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ پاکستان کے سیاسی نظام میں ووٹر کی عمر بھی چالیس سال ہونی چاہیے تاکہ وہ پوری سمجھ داری سے اپنا رائے دہی کا حق استعمال کرے۔

آیت ۲۱ میں حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے جس میں حضرت ہود اور ان کی قوم کا

معاملہ مذکور ہے۔ فرمایا: ''اور یاد کرو (قوم) عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی --- اور تحقیق ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے ہیں --- کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ لے آئو وہ چیز (عذاب) جس سے ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو''۔ قوم کے انکار اور ہٹ دھرمی پر ان پر آندھی کا عذاب آیا اور اس نے اس قوم کو تہس نہس کر دیا۔

آیات ۲۹ تا ۳۲ میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کسی موقع پر وعظ فرما رہے تھے یا قرآن سنا رہے تھے تو جنات کے ایک گروہ کا وہاں سے گزر ہوا انہوں نے وہاں پر قرآن سنا جس کے نتیجہ میں ان کے اندر دعوت کا جذبہ اُبھرا اور انہوں نے اپنی قوم میں جا کر دعوت دی۔ فرمایا:

''اور جب ہم نے جنوں میں سے ایک جماعت تمہاری طرف متوجہ کی کہ قرآن سنیں' تو جب وہ اس کے پاس آئے (تو آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ جب (پڑھنا اور سننا) تمام ہوا تو اپنی قوم میں واپس گئے تاکہ انہیں نصیحت کریں۔ کہنے لگے اے قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے' جو (کتابیں) اس سے پہلے ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے' سچ اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لائو' اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے دور رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے ۔یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

ہمارے لیے یہ ایک مثال ہے کہ کوئی خیر اور نیکی کی بات اور نیک دعوت اللہ کے کسی بھی بندے کے سامنے آئے تو وہ اس کو قبول کرے اور اس کا علمبردار اور پرچارک بن جائے۔

اس سورۃ کی آخری آیت میں تشویق و ترغیب کے بڑے دلکش پیرائے میں نبی

کریم ﷺ کو صبر کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''پس (اے محمد ﷺ) آپ صبر کیجیے جس طرح عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اور ان کے لیے (عذاب) جلدی نہ مانگیے۔ جس دن یہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (خیال کریں گے) گویا ہم (دنیا میں) صرف دن بھر ہی رہے۔ (یہ قرآن) پیغام ہے' پس اب نافرمان ہی ہلاک ہوں گے۔''

سُورۃُ مُحَمَّد

سورۃ الاحزاب کے بعد (سورۂ سبا سے) مکی سورتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ سورۃ الاحقاف پر مکمل ہوا۔ ان تیرہ مکی سورتوں کے بعد اب تین مدنی سورتیں (محمد' الفتح' الحجرات) آرہی ہیں۔ یہ تینوں سورتیں بلاتمہید شروع ہو جاتی ہیں' یعنی نہ تو ان کے آغاز میں حروفِ مقطعات ہیں اور نہ ہی کوئی اور تمہیدی کلمات یا مضامین۔ بالخصوص سورۂ محمد کا آغاز تو ایسے ہو رہا ہے جیسے اچانک گفتگو ہوتی ہے۔ فرمایا:
{اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۱﴾}
''وہ لوگ کہ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی اور اللہ کے راستے سے (خود بھی رُکے اور دوسروں کو بھی) روکا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔''
یعنی اگر انہوں نے اس سے پہلے کوئی نیکیاں کی بھی تھیں تو حق کے آجانے کے بعد اس کو رد کر دینے کی پاداش میں ان کی وہ نیکیاں بھی ضائع ہو گئیں۔ اگلی آیت میں اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا گیا:
{وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۲﴾}
''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایمان لائے اس شے پر جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی' اور وہ ان کے رب کی طرف سے برحق ہے' اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی تمام برائیاں دور کر دے گا اور ان کے تمام معاملات کو صحیح کر دے گا۔''

آیت ۴ میں ایک اہم مضمون آیا ہے' اس کا تقابل سورۃ الانفال کی آیت ۶۷ سے کرنا ہو گا۔ یہ ایک اہم علمی مسئلہ ہے' اس لیے اس پر غور و خوض کی ضرورت ہے۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا جو

فیصلہ ہوا تھا' سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس پر ناپسندیدگی کا اظہار ہوا تھا۔ یعنی کفر کی کمر توڑے بغیر اگر ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو یہ دوبارہ کفر کی طرف سے طاقت بن کر حملہ آور ہوں گے۔ جبکہ یہاں واضح کیا جا رہا ہے کہ ہاں جب اسلام کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوجائے اور کفر کی طاقت کو کچل دیا جائے تو پھر ان کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جا سکتا ہے۔ فرمایا:

''پھر جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں اُڑا دو۔ یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو۔ پھر یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا کچھ مال لے کر' یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے (یعنی دشمن میں جنگ کی طاقت نہ رہے اور لڑائی موقوف ہوجائے)۔''

آیت ۷ میں فرمایا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ ﴿۷﴾}

''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔''

نصرتِ خداوندی کے ضمن میں قاعدہ یہی ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کے لیے جدوجہد کرتے ہیں' جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے تعبیر کرتا ہے' اللہ کی مدد اُن ہی کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جن کی دوستیاں اور وفاداریاں اللہ کے باغیوں کے ساتھ ہوں اور پھر وہ اللہ کی مدد بھی چاہیں تو اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۱۱ میں ایک اہم حقیقت واضح کر دی گئی:

{ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَہُمۡ ﴿۱۱﴾}

''یہ اس لیے ہے کہ اللہ کارساز اور مددگار ہے مؤمنین کا اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔''

غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے بعد جب نبی کریم ﷺ مسلمانوں کو لے کر کوہِ

اُحد پر چڑھ گئے تھے تو ابوسفیان' جو اُس وقت کفار کی فوج کا سپہ سالار تھے' نے نعرہ لگایا تھا: لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہلوایا: اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰکُمْ۔ یہ بعینہٖ اسی آیت کا مفہوم ہے۔

آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کی صفات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا دوزخ اور جنت والے برابر ہو سکتے ہیں؟

''جنت' جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بو نہیں کرے گا' اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا' اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہے

'اور شہد مصفا کی نہریں ہیں (جو حلاوت ہی حلاوت ہے)۔ اور (وہاں) ان کے لیے ہر قسم کے میوے ہیں اور بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے۔(کیا یہ پرہیزگار) ان کی طرح (ہو سکتے ہیں) جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا؟''

تیسرے رکوع میں منافقین کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے تو تم دیکھتے ہو اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے کہ وہ تمہاری طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو۔ موت کے خوف اور دہشت کی وجہ سے اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوتی ہیں۔ پس ہلاکت ہے ایسے لوگوں کے لیے ۔ (آیت ۲۰)

اگلی آیت میں اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اطاعت کرو اور قولِ معروف اختیار کرو' پھر جب معاملہ طے ہو جائے (یعنی جنگ کا فیصلہ ہو جائے) تو پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کریں تو یقینا اللہ تعالیٰ اُن کو خیر عطا فرمائے گا۔ (آیت ۲۱)

اسی سورۃ میں قرآن پر غور و فکر کرنے کے حوالے سے ایک عظیم آیت آئی ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے یہ لوگ جو حق کو نہیں مانتے اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:

{ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا ﴿ ۲۴ ﴾ }

''کیا یہ لوگ قرآن مجید پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے

ہوئے ہیں؟''

اس کے ساتھ ہی قرآن حکیم کے بارے میں منافقین کے طرزِ عمل کا ذکر فرمایا گیا:

''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُلٹے پاؤں پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی ان کو شیطان نے فریب دیا ہے اور ان کی (آرزوئوں کی) رسیاں دراز کر دی ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ناپسند کیا کہ بعض معاملات میں ہم آپ کی پیروی کریں گے' اور اللہ ان کی رازداری کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس دن ان کا کیا حال ہو گا جب ملائکہ ان کی جانیں قبض کریں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ماریں گے۔'' (آیات ۲۵ تا ۲۷)

آیت ۳۱ میں مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے' تمہارے تمام حالات کی جانچ پڑتال کر کے رہیں گے کہ کون ہیں تم میں جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے !

اس سورۃ کی آخری آیت (۲۸) میں انفاق فی سبیل اللہ کا تذکرہ ہے ---- سورۃ البقرۃ کے مضامین میں قتال کے ساتھ ساتھ انفاق پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے ' اس لیے کہ جان اور مال دونوں اللہ کی راہ میں کھپانا ضروری ہیں۔

اس سورۃ میں بھی قتال کے بعد اب انفاق کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

''تم وہ لوگ ہو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو! تو تم میں سے بخل کرنے والے بھی ہیں ۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''

چنانچہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر تم نبی کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے اپنے مشن سے روگردانی اور اپنے فرضِ منصبی سے پہلوتہی کرو گے تو اللہ تمہیں ہٹا کر اپنے دین کا جھنڈا کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھما دے گا۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

سُورۃُ الفَتح

یہ سورۂ مبارکہ پوری کی پوری صلح حدیبیہ کے گرد گھومتی ہے۔ صلح حدیبیہ کو ''فتح مبین'' قرار دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

{اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ﴿۳﴾}

''ہم نے آپؐ کو یہ فتح مبین عطا فرمائی ہے تاکہ اللہ آپ کی خطاؤں کو معاف فرما دے جو پہلے ہوئی ہیں یا بعد میں ہوں گی' اور آپ پر اپنی نعمتوں کا اتمام کر دے اور آپ کی سیدھی راہ کی جانب راہنمائی فرمائے۔ اور اللہ اپ کی زبردست مدد فرمائے۔''

یہاں ایک علمی سا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی وہ کون سی خطائیں ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہو رہا ہے۔ اس کا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اقامت دین کی جدوجہد میں جو تدبیریں اختیار فرماتے تھے اُن میں حضور ﷺ کے اپنے تدبر' معاملہ فہمی' دور اندیشی اور منصوبہ بندی کو بڑا دخل حاصل تھا۔ ان معاملات میں بربنائے بشریت کہیں کوئی کمی رہ جانا قرین قیاس ہے ۔ میں اس کا یہ مفہوم سمجھتا ہوں کہ اس کھمبیر جدوجہد میں اگر کہیں حکمت عملی کے اعتبار سے (strategically) کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس فتح مبین کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی کمیوں کے اثرات دور فرما دے گا۔

آیت ۱۰ میں بیعت شجرہ (بیعت رضوان) کا ذکر ہے جو سیرۃ النبی ﷺ کے حوالہ سے ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۰﴾}

''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو کوئی عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے' اور جو کوئی اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا۔''

یہاں حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے بیعت قرار دے رہا ہے۔ یہ مضمون سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے ساتھ جڑ جاتا ہے: {اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ} ''بے شک اللہ نے خرید لیے ہیں مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بعوض جنت کے''۔ اصل میں تو خرید و فروخت اللہ اور بندے کے درمیان ہے' لیکن اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ اس بیع کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اسی لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے یہ دراصل اللہ کے ساتھ بیعت ہو رہی ہے۔

تیسرے رکوع' آیت ۱۸ میں اسی بیعت کے حوالہ سے فرمایا گیا:

{لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴿۱۸﴾}

''اللہ اُن مؤمنوں سے راضی ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے' اور اللہ کے علم میں تھا جو کچھ کہ اُن کے دلوں میں تھا' تو اللہ نے اُن پر سکینت نازل فرمائی اور ایک فتح قریب اُن کو عطا فرمائی۔''

درحقیقت یہ معاملہ ایک مقدمہ بننے والا تھا فتح مکہ کے لیے' اور اس میں ایک بڑی حکمت ہے جو آیت ۲۴۔ ۲۵ میں بیان ہوئی ہے کہ اُس وقت اللہ نے فریقین کے ہاتھ کیوں روک دیے تھے اور یہ صلح کیوں ہوئی تھی؟ اُس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مکہ میں ایسے اہل ایمان ضعفاء موجود تھے جو کسی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ اگر جنگ ہو جاتی تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جانے کے مصداق ممکن ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں وہ بھی کچلے جاتے۔ اس حکمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور وہی تو ہے جس نے روک دیے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے مکہ کی وادی میں اس کے بعد کہ اللہ تمہیں اُن پر فتح دے چکا تھا۔ اور جو کچھ تم

کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو روکا مسجد حرام سے اور ہدی کے جانوروں کو (بھی روکا) کہ وہ پہنچیں اپنے مقام پر۔ اگر نہ ہوتے وہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں جن کو تم نہیں جانتے تھے، ہو سکتا تھا کہ تم انہیں کچل ڈالتے اور لاعلمی میں ان کی طرف سے تمہیں بھی نقصان پہنچتا (تو سب قصہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جس کو چاہے۔ اگر (دونوں فریق) الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ہم ان کو دکھ دینے والا عذاب دیتے۔'' (آیات ۲۴۔۲۵)

اس سورۂ مبارکہ کا آخری حصہ بہت اہم ہے۔ جیسا کہ سب کے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سفر ایک خواب کی بنیاد پر کیا تھا کہ آپؐ عمرہ کر رہے ہیں، لیکن واپسی بغیر عمرہ ادا کیے ہوئی، جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کے دلوں میں ایک بے چینی پیدا ہوئی، جس کا ازالہ کیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے:

{لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾} ''بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا (اور) حقیقت پر مبنی خواب دکھایا تھا۔ تم لازماً داخل ہو گے مسجد حرام میں، ان شاء اللہ، پورے امن کے ساتھ اور اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے بغیر کسی خوف کے۔ اللہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہیں جانتے تھے، پس اس نے اس (خواب کے پورا ہونے) سے پہلے یہ قریبی فتح دے دی۔''

اگلی آیت میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بایں الفاظ بیان کیا جا رہا ہے:

{هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾}

''وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کر دے کل کے کل دین پر۔ اور اللہ کافی ہے بطورِ گواہ۔''

اس کے بعد آخری آیت میں نبی کریم ﷺ اور آپؐ کی جماعت کے افراد کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت اور آپس میں رحم دل ہیں، تم ان کو رکوع اور سجود میں مشغول پاتے ہو، تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا۔ ان کے چہروں پر نشان ہیں سجود کے اثر سے...''

سُورۃُ الحُجُرات

یہ عظیم سورۃ اجتماعیاتِ انسانی کے ذیل میں عام سماجی و معاشرتی معاملات سے بلند تر سطح پر نہ صرف قومی و ملی امور سے بحث کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ ملت ِاسلامیہ کی تأسیس اور تشکیل کن بنیادوں پر ہوتی ہے اور اس میں اتحاد و اتفاق اور یک جہتی و ہم رنگی کیسے برقرار رکھی جا سکتی ہے' بلکہ سیاست و ریاست کے متعلق امور سے بھی بحث کرتی ہے کہ اسلامی ریاست کس بنیاد پر قائم ہوتی ہے ' اس کا دستورِ اساسی کیا ہے' اس کی شہریت کسے حاصل ہوتی ہے اور اس کا دنیا کے دوسرے معاشروں یا اس کی دوسری ریاستوں سے تعلق کن بنیادوں پر استوار ہو گا۔

اس سورۃ کو بغرضِ تفہیم تین حصوں میں منقسم سمجھنا چاہیے :پہلا حصہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے 'اصل الاصول' یعنی اسلامی ریاست کے دستورِ اساسی اور ملت ِاسلامیہ کی شیرازہ بندی کے اصل قوام یعنی ''مرکزِملت'' سے بحث کرتا ہے ----دوسرا حصہ ان احکامات پر مشتمل ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے ملت ِاسلامیہ کے افراد اور گروہوں اور جماعتوں کے مابین رشتۂ محبت و الفت کے کمزور ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اور اختلاف و انتشار اور فتنہ و فساد کو بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے ----تیسرا حصہ دو انتہائی اہم مباحث پر مشتمل ہے:پہلی بحث انسان کی عزت و شرف کے معیار سے متعلق ہے' جبکہ دوسری اہم بحث اسلام اور ایمان کے مابین فرق و امتیاز کی وضاحت سے متعلق ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم طور پر یہ واضح فرمادیا کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست ''مادر پدر آزاد''نہیں ہوگی بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے تابع ہوگی۔آیت کے آخر میں اس اطاعت کی اصل روح کی جانب بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ وہ تقویٰ ہے ۔ فرمایا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱﴾}

''اے ایمان والو! مت آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقینا اللہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آگے آیت ۲تا۸ (سوائے آیت ٦ کے)میں مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کی ''اصل ثانی ''کو واضح کیا گیا جس کے گرد مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی اصل شیرازہ بندی ہوتی ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ کا ادب' محبت اور تعظیم وتوقیر۔ چنانچہ فرمایا:

''اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور مت گفتگو کرو انؐ سے بلند آوازی کے ساتھ جیسے تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کر لیتے ہو' مبادا تمہارے تمام اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمہیں اس کا

شعور تک نہ ہو۔ یقیناً وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول (ﷺ) کے سامنے پست رکھتے ہیں' وہی ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ بلاشبہ وہ لوگ جو (اے نبی ﷺ) آپ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے' ان میں اکثر نا سمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپؐ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے کہیں بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔... اور جان رکھو کہ تمہارے مابین اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں۔ اگر وہؐ تمہارا کہنا اکثر معاملات میں ماننے لگیں تو تم خود مشکل میں پڑ جائو گے' لیکن اللہ نے تو ایمان کو تمہارے نزدیک بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا ہے' اور تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر کو بھی اور نافرمانی کو بھی اور معصیت کو بھی۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اصل میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور مظہر ہے اس کی

نعمت کا۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔'' (آیات ۲تا۸)

دوسرے حصے سے متعلق احکام کو مزید دو عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ اہم تر احکام جو وسیع پیمانہ پر گروہوں کے مابین تصادم سے بحث کرتے ہیں اور دوسرے وہ بظاہر چھوٹے لیکن حقیقتاً نہایت بنیادی احکام جو خاص انفرادی سطح پر نفرت و عداوت کا سدباب کرتے ہیں۔ مقدم الذکر احکام دو ہیں: افواہوں کی روک تھام اور نزاع کے واقع ہو جانے کی صورت میں صحیح طرزِ عمل۔

آیت ۶ میں افواہوں کی روک تھام کے ضمن میں یہ حکم دیا گیا کہ کسی کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ فرمایا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَہَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾}

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو چھان بین کر لیا کرو' مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔''

اس کے ضمن یہ اصول یاد رکھیں کہ اس صورتحال میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ خبر لانے والا کون ہے! اگر وہ کوئی انتہائی معتبر شخصیت ہو تو کسی تحقیق' کسی تبیین اور کسی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے' لیکن اگر خبر لانے والا کوئی ایسا شخص ہے کہ جو احکامِ الٰہیہ پر اس طور سے کاربند نہیں ہے جس طرح ایک مؤمن صادق کو ہونا چاہیے تو ایسے شخص کی لائی ہوئی خبر پر کوئی اقدام کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے' لہٰذا اس کی تحقیق' تبیین اور تفتیش ضروری ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے۔''

آیات ۹' ۱۰ بھی مسلمانوں کی شیرازہ بندی سے متعلق ہیں کہ اگر احتیاط کے باوجود مسلمانوں کے

دو گروہوں کے مابین کوئی نزاع برپا ہو جائے‘ کوئی جھگڑا ہو جائے‘ کسی نوع کا اختلاف ہو جائے اور یہ اس شدت کو پہنچ جائے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے لڑپڑیں تو

ایک مسلم معاشرے کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ ’’Nip the evil in the bud ‘‘ کے مصداق ان میں فوری صلح کرا دے:

’’اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑپڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو‘ اور اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے پر مصر رہے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کرلے تو پھر صلح کرا دو ان دونوں کے مابین انصاف کے ساتھ‘ اور عدل سے کام لو‘ یقینا اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ یقینا تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں‘ پس تم اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرا دیا کرو‘ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘

مؤخر الذکر احکام چھ نواہی پر مشتمل ہیں۔ آیات ۱۱‘۱۲ میں ان چھ معاشرتی برائیوں کا ذکر کرکے ان سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے جن کے باعث بالعموم دو افراد یا گروہوں کے مابین رشتۂ محبت و الفت کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ نفرت و عداوت کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ ان چھ معاشرتی برائیوں کا تذکرہ بایں الفاظ کیا گیا:

(۱) {یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ ...}’’اے ایمان والو!
تم میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے...‘‘(۲){وَ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ} ’’اور ایک دوسرے پر عیب نہ لگائو‘‘۔ (۳) { وَ لَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ } ’’اور ایک دوسرے کے برے نام نہ ڈالو‘‘۔ (آیت ۱۱) (۴) {یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ}’’اے ایمان والو! سوئے ظن سے بچتے رہو‘ بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں‘‘۔ (۵) {وَّ لَا تَجَسَّسُوۡا} ’’اور کسی کا راز نہ تلاش کرو‘‘۔ (۶) {وَ لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ؕ} ’’اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔‘‘ (آیت ۱۲)

تیسرے حصے کے دو مباحث میں سے پہلی بحث انسان کی عزت و شرف کے معیار سے متعلق ہے‘ جس کے ذیل میں واضح کر دیا گیا کہ انسان کی عزت و ذلت یا شرافت و رذالت کا معیار نہ کنبہ ہے نہ قبیلہ‘ نہ خاندان ہے نہ قوم‘ نہ رنگ ہے نہ نسل‘ نہ ملک ہے نہ

وطن‘ نہ دولت ہے نہ ثروت‘ نہ شکل ہے نہ صورت‘ نہ حیثیت ہے نہ وجاہت‘ نہ پیشہ ہے نہ صرفہ‘ اور نہ مقام ہے نہ مرتبہ‘ بلکہ صرف تقویٰ ہے۔ اس لیے کہ پوری نوع انسانی ایک ہی خدا کی مخلوق بھی ہے اور ایک ہی جوڑے (آدم و حوا) کی اولاد بھی۔ چنانچہ آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا:

{یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿ ۱۳ ﴾}

''اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں تقسیم کیا تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقینا اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس اور پرہیزگار ہے۔ یقینا اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) باخبر ہے۔''

پوری سورت میں یہ ایک ہی آیت ہے جو یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع ہوئی ہے جبکہ پانچ دفعہ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' آیا ہے ،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ نہ نسلی معاشرہ ہے نہ لسانی، یہ حقیقتاً ایمان اور دستوراً و قانوناً اسلام کا اقرار کرنے والوں کا معاشرہ ہے۔

تیسرے حصے کی دوسری اہم بحث اسلام اور ایمان کے مابین فرق و تمیز سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں ایمان و اسلام اور مؤمن و مسلم کی اصطلاحات اکثر و بیشتر ہم معنی اور مترادف الفاظ کی حیثیت سے استعمال ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں، لیکن اس سورۂ مبارکہ میں ایمان اور اسلام کو ایک دوسرے کے مقابل لایا گیا ہے اور ''ایمان'' کی نفی کامل کے علی الرغم ''اسلام'' کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس کا اصل مقصد اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں شمولیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کی بنیاد ایمان پر نہیں بلکہ اسلام پر ہے، اس لیے کہ ایمان ایک باطنی حقیقت ہے جو کسی قانونی بحث و تفتیش اور ناپ تول کا موضوع نہیں بن سکتی۔ لہٰذا مجبوری ہے کہ دنیا میں بین الانسانی معاملات کو صرف خارجی رویے کی بنیاد پر استوار کیا جائے، جس میں ایمان کا زیادہ سے زیادہ صرف ''اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ'' والا پہلو

شامل ہو سکتا ہے۔

آیت ۱۴ میں ایمان و اسلام کا فرق واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿ ۱۴ ﴾}

''یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے) جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تاہم اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے اجر و ثواب) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ یقینا اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔''

اس بحث سے اس عظیم حقیقت کی جانب بھی رہنمائی ہو گئی کہ انسان کی ایک ایسی حالت بھی ممکن

ہے کہ اُس کے دل میں نہ تو مثبت اور ایجابی طور پر ایمان ہی محقق ہو نہ منفی و سلبی طور پر نفاق' بلکہ ایک خلا کی سی کیفیت ہو' لیکن اس کے عمل میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت موجود ہو۔ ایسی حالت میں اس قاعدہ و کلیہ کی رو سے کہ ''بغیر ایمان انسان کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں'' ایسے شخص کی اطاعت قبول نہ کی جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے ساتھ دو اسمائے حسنیٰ غفور اور رحیم استعمال کر کے اس اطاعت کو بھی سند قبولیت عطا فرما دی۔

آیت ۱۵ میں ''حقیقی ایمان'' کی ایک جامع و مانع تعریف بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ فی الحقیقت ایمان نام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایسے پختہ یقین کا جس میں شکوک و شبہات کے کانٹے نہ چبھے رہ گئے ہوں اور جس کا اولین اور نمایاں ترین عملی مظہر جہاد فی سبیل اللہ ہے' یعنی یہ کہ انسان ہدایت ِ آسمانی کی نشرو اشاعت' حق کی شہادت اور اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس کے غلبہ و اظہار کے لیے جان و مال سے کوشش کرے اور اس جدوجہد میں اپنا تن من دھن سب قربان کر دے۔

* * *

چھٹا گروپ

قٓ ... تا ... التَّحرِیم

سُورَۃُ قٓ

نظم قرآن کے اعتبار سے مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل چھٹا گروپ سات مکیات اور دس مدنیات پر مشتمل ہے--------سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ سات مکی سورتیں ہیں اور مکی سورتوں کا یہ گلدستہ ادب اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے قرآن حکیم کا حسین ترین مقام ہے۔ قرآن حکیم کئی اعتبارات سے معجزہ ہے 'مثلاً علمی و

فکری اعتبار سے ‘پیشین گوئیوں کے لحاظ سے‘ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے‘ وغیرہ۔ لیکن قرآن حکیم کا سب سے نمایاں اور اس کے اوّلین مخاطب یعنی اہل عرب پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والا پہلو ‘ادبی اور فصاحت و بلاغت والا پہلو ہے۔ ادبیت اور فصاحت و بلاغت کے حوالے سے یہ سات سورتیں (قٓ سے الواقِعَۃ) قرآن‘ حکیم کی معراج اور نقطۂ عروج ہیں۔ ان میں سے ایک سورۃ ’’الرحمن‘‘ ہے ‘جسے نبی کریم ﷺ نے ’’عُروسُ القرآن‘‘ (قرآن مجید کی دلہن) قرار دیا ہے۔

ان تمام سورتوں کا اہم ترین موضوع آخرت ہے۔ آخرت کے حالات اور اس کی نقشہ کشی کی تعبیر اگر ایک لفظ میں کی جائے تو وہ ہے ’’اِنذار‘‘ (خبردار کرنا) جو ان سورتوں کا مرکزی مضمون ہے۔ یوں تو مکی سورتوں میں ہر جگہ ’’ایمانیاتِ ثلاثہ‘‘ یعنی توحید‘ آخرت اور رسالت کی بحث ملے گی‘ لیکن ان سورتوں میں زیادہ نمایاں پہلو خبردار کرنے کے حوالہ سے ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے جب تمہیں اپنے ربّ کے حضور حاضر ہونا ہو گا‘ اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہو گی‘ جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے اور جنت و جہنم میں سے کسی ایک میں تمہیں داخل ہونا پڑے گا۔

ان سورتوں میں پہلی سورۂ قٓ ہے ‘جس کی ابتدائی آیات ہی اس کا عمود متعین کر رہی ہیں ‘جس میں بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{قٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾ }

’’قٓ ۔ قسم ہے اس عظیم الشان قرآن کی (کہ آپؐ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں)۔ مگر ان کو بڑا تعجب ہوا (اس بات پر کہ) ان کے پاس ایک خبردار کرنے والا آیا ہے‘ تو انکار کرنے والے کہنے لگے کہ یہ تو بہت حیران کن بات ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا)؟ یہ تو بہت دُور کی بات ہے ۔‘‘

آیت ۴‘۵ میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کی اس بات کا جواب بایں الفاظ دیا:

{قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ ۚ وَ عِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ﴿۴﴾ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ فَہُمۡ فِیۡۤ اَمۡرٍ مَّرِیۡجٍ ﴿۵﴾ }

’’تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ زمین ان میں سے کیا کم کرتی ہے‘ اور ہمارے پاس وہ کتاب ہے جس میں ہر چیز محفوظ ہے ۔بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آپہنچا‘ پس یہ اُلجھی ہوئی بات میں پھنسے ہوئے ہیں۔‘‘

بعث بعد الموت کے منکرین کو ایک جواب اللہ تعالیٰ نے آیت ۱۵ میں دل میں اتر جانے والے انداز میں بایں الفاظ دیا:

{اَفَعَیِینَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۱۵﴾}

''کیا ہم پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد اب عاجز آ گئے ہیں؟ (حالانکہ ہماری قدرت اور قوت کے خزانے میں تو کوئی کمی نہیں آئی) بلکہ یہ لوگ دوبارہ پیدا کیے جانے میں دھوکہ میں آ گئے ہیں۔''

آیات ٦ تا ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں اور انعامات خصوصاً آسمان ' زمین اور

بارش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کیسے رونق دی کہ اس میں کوئی رخنہ تک نہیں ؟ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور ڈالے اس میں بوجھ (یعنی پہاڑ تاکہ یہ ہل نہ سکے) اور اُگائی اس میں ہر قسم کی رونق کی چیز۔(یہ ساری چیزیں) آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر (حق کی طرف) رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے برکت والا پانی' پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ اور فصلیں جو کاٹی جاتی ہیں اور (اسی سے اُگائے) بلند و بالادرخت کھجور کے جن کے خوشے تہہ در تہہ ہیں۔ یہ بندوں کے لیے رزق ہے' اور اس کے ذریعے ہم بنجر زمین کو قابل کاشت بناتے ہیں۔ اسی طرح تمہارا (مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ) نکلنا ہے۔'' (آیات ٦ تا ۱۱)

آیات ۱٦ سے ۲۳ تک اللہ تعالیٰ کے علم کا تذکرہ ہے جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ انسانی خیالات سے لے کر اس کے افعال تک ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کے مقرر کردہ فرشتے انسان کے تمام اعمال اس کے اعمال نامہ میں لکھ رہے ہیں اور وہ قیامت کے دن اسے ہر چیز کی خبر دے گا۔ فرمایا:

''اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس کے دل کے خیالات کو بھی جانتے ہیں' اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) وہ لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھتے ہیں ' لکھ لیتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس (لکھنے کو) تیار رہتا ہے ... (قیامت کے دن) ہر شخص (ہمارے سامنے) اس حالت میں حاضر ہو گا کہ اُس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانک کر لانے والا ہو گا اور ایک (اس کے اچھے برے اعمال کی) گواہی دینے والا ہو گا... اور اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا کہ یہ (اعمال نامہ) میرے پاس حاضر ہے !'' (آیات ۱٦ تا ۲۳)

اس سورۃ کی آیت ۳۹' ۴۰ میں پانچ نمازوں کے اوقات کا تذکرہ موجود ہے' فرمایا:

{فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ}

وَ قَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ﴿۳۹﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡہُ وَ اَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ ﴿۴۰﴾ }

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم !) جو کچھ یہ (کفار) بکتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجیے آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے ۔اور رات کے اوقات میں پھر اس کی تسبیح کیا کریں اور نمازوں کے بعد بھی۔''

بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتدا میں صرف تین نمازیں فرض تھیں ،جن کا ان آیات میں ذکر ہے، یعنی فجر، عصر اور تہجد ۔ جبکہ بعض کے مطابق ان آیات میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ ہے۔ ''قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ'' سے مراد فجر ''قَبۡلَ الۡغُرُوۡب'' سے مراد ظہر و عصر اور ''مِنَ الَّیۡلِ'' سے مراد مغرب اور عشاء ہے۔

سُورۃُ الذّٰریٰت

یہ سورۃ چھوٹی چھوٹی ۶۰ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدائی آیات میں چار مختلف قسم کی ہوائوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں اور ان کے بعد فرمایا:

{اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّ اِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ }

''بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے ،اور جزا و سزا ضرور واقع ہو کر رہے گی۔''

یہی وہ بنیادی خبر ہے جو ان ساتو سورتوں (سورۂ ق تا سورۃ الواقعہ) کا بنیادی موضوع ہے۔

آیات ۱۵ تا ۱۹ میں متقین کی صفات اور ان کے اجر کا بیان کیا ہے جو ان کو قیامت کے دن ملے گا۔ فرمایا:

''بے شک اللہ سے ڈرنے والے (اس دن) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں دے رہا ہو گا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے۔ یہ لوگ رات کو (عبادتِ ربّ کی وجہ سے) بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت استغفار کرتے تھے۔ اور ان کے اموال میں حق

تھا مانگنے والوں اور محروموں کا۔'' (آیات ۱۵ تا ۱۹)

آیات ۲۴ سے ۳۷ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ کا تذکرہ ہے کہ جب ان کے پاس فرشتے انسانی شکل میں بیٹے کی بشارت لے کر آئے تو آپؑ ان کی ضیافت کے لیے موٹا تازہ بچھڑا بھون کر لے آئے ، مگر

انہوں نے نہ کھایا۔ آپؑ نے فرمایا:

''تم کھاتے کیوں نہیں؟ اور آپؑ دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے: ڈریے نہیں' اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحبِ علم بیٹے کی۔ پس آپؑ کی بیوی متعجب ہو کر آئیں اور اپنے منہ پر (تعجب کے باعث) طمانچہ دے مارا اور کہنے لگیں: میں بوڑھی اور بانجھ ہوں (میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟) انہوں نے کہا: ایسا ہی کہا ہے تیرے ربّ نے' بے شک وہ بہت حکمت والا اور جاننے والا ہے۔'' (آیات ۲۷ تا ۳۰)

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِن فرشتوں سے اُن کے آنے کا مقصد دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں ایک مجرم قوم (قومِ لوطؑ) کی تباہی کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اس کے بعد آیات ۳۸ تا ۴۶ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام' قومِ عاد' قومِ ثمود اور قومِ نوحؑ کا اجمالاً تذکرہ ہے۔ تیسرے رکوع کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے حیاتِ اُخروی کے ثبوت کی ایک اور دلیل دیتے ہوئے فرمایا:

{وَ السَّمَآءَ بَنَیۡنٰہَا بِاَیۡیۡدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ الۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰہَا فَنِعۡمَ الۡمٰہِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۹﴾}

''اور آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور بے شک ہم بڑی وسیع قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس زمین کو ہم ہی نے بچھایا ہے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم۔ اور ہر شے کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''

اگر تمہیں نباتات و حیوانات میں جوڑے نظر آرہے ہیں تو اسی طرح بلندی و پستی ہے اور زمین و آسمان ہے۔ ان کو بھی آپ جوڑوں کی شکل میں سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش

برستی ہے تو زمین سے روئیدگی برآمد ہوتی ہے۔ اسی طرح حیاتِ دنیوی کا بھی ایک جوڑا ہے اور وہ ہے حیاتِ اُخروی۔ یہ بھی حیاتِ اُخروی کے اثبات کی ایک دلیل ہے کہ جب ہر شے کا ایک جوڑا ہے تو اسی طرح زندگی بھی ایک نہیں ہوسکتی' لازماً اس کا بھی جوڑا ہوگا۔ اگر اس کا بھی جوڑا نہ ہو تو پھر اس کی تخلیق ہی بے معنی رہے گی کہ نہ کسی کو نیکی کی جزا ملے اور نہ بدی کی سزا۔

ایک نہایت اہم آیت اس سورۂ مبارکہ میں آئی ہے:

{وَ مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾}

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

بعض مفسرین کے نزدیک ''اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ'' یہاں ''اِلَّا لِیَعۡرِفُوۡنِ'' کے معنی میں ہے۔ یعنی ''میں نے جنوں اور انسانوں

کو اپنی پہچان اور معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

سُورۃُ الطُّور

یہ سورۃ ۴ رکوع اور ۴۹ آیات پر مشتمل ہے۔ پچھلی سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی قسموں سے ہوئی ہے۔ ابتدائی چھ آیات میں پانچ اشیاء کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا:

{وَ الطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾ وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾ وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾}

''قسم ہے طور (پہاڑ) کی ' اور لکھی ہوئی کتاب کی ' جس کے صفحات کشادہ ہیں ' اور آباد گھر کی ' اور اونچی چھت کی ' اور اُبلتے ہوئے دریا کی۔''

اگلی آیات میں مُقسَم علیہ یعنی جس چیز کے لیے قسم کھائی جا رہی ہے 'کا بیان ہے اور وہی ان سورتوں کا بنیادی موضوع ہے۔ فرمایا:

{اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَہٗ مِنۡ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًا ۙ﴿۹﴾ وَّ تَسِیۡرُ الۡجِبَالُ سَیۡرًا ﴿۱۰﴾ فَوَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۱﴾}

''بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے ' اس کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

جس دن کہ آسمان کپکپا کر لرزے گا ' اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ سو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

منکرین اور کافرین کے انجام کا تذکرہ آیت ۱۶ تک چلتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۷ سے ۲۸ تک متقین کے انجام اور ان انعامات کا تذکرہ ہے جو متقین کو قیامت کے دن ملیں گے۔ مثلاً وہ باغات میںہوں گے ' ان کے لیے ہر طرح کے میوے اور شراب وطعام ہوگا ' بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اور ایسی پاکیزہ شراب ہو گی کہ جس کے پینے سے انسان حواس باختہ نہیں ہوگا (اللّٰھم اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)۔ ان انعامات میں ایک انعام یہ بھی ہے:

{وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡہُمۡ ذُرِّیَّتُہُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ مَاۤ اَلَتۡنٰہُمۡ مِّنۡ عَمَلِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ کُلُّ امۡرِیٍٔۢ بِمَا کَسَبَ رَہِیۡنٌ ﴿۲۱﴾}

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم (جنت

میں) ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے (چاہے ان کا رتبہ ان سے کچھ کم ہی ہو) اور (اس کے بدلے میں) ہم اُن (جنتیوں) کے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔ (یاد رکھو) ہر آدمی اپنی کمائی کا ذمہ دار ہے۔''

دوسرے رکوع کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے نبی اکرم ﷺ کی ذات پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

{فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّ لَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾}

''(اے نبی ﷺ!) آپ یاد دہانی کراتے رہیں، آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ کیا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ آپ تو ایک شاعر ہیں اور ہم منتظر ہیں گردشِ زمانہ کے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ بھی کہہ دیجیے: (ضرور) انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''

اگلی آیات میں کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾}

''کیا واقعتا ان کی عقلیں انہیں یہی رائے دے رہی ہیں یا یہ اُن کے مزاج کی سرکشی اور تکبر ہے (جو اُن سے ایسی باتیں کہلوا رہا ہے)؟ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) خود پیغمبرؐ نے گھڑ لیا ہے؟ درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔ اگر یہ سچے ہیں (اس بات میں کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے) تو یہ بھی بنا لائیں ایسا ہی کلام!''

قرآن حکیم عام طور پر فطری استدلال کا راستہ اختیار کرتا ہے، لیکن کہیں کہیں اپنے استدلال میں فلسفہ اور منطق کو بھی اختیار کرتا ہے۔ جیسے فرمایا:

{اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾}

''کیا یہ بغیر کسی پیدا کیے کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے آپ کو پیدا کرنے والے ہیں؟''

ظاہر بات ہے کہ یہ محالِ عقلی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ میں اپنے آپ کو پیدا کرنے والا نہیں ہوں، تو لازماً میرا کوئی خالق ہے جس نے مجھے وجود بخشا ہے۔

اس سورۃ کے آخر میں فرمایا:

{وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾}

''(اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اپنے رب کے حکم کے ساتھ، بے شک آپ ہماری نگاہوں میں ہیں اور اپنے ربّ کی تسبیح بیان کریں اس کی حمد کے ساتھ جب آپ (سو کر) کھڑے ہوتے ہیں۔ اور رات کو بھی اللہ

لی تسبیح بیان کریں اور (اس وقت) جب ستارے پیٹھ دکھا رہے ہوں۔''

سُورۃُ النَّجم

یہ سورۃ چھوٹی چھوٹی ۶۲ آیات پر مشتمل ہے۔ پچھلی دو سورتوں کی ابتدائی آیات

کی طرح اس کی پہلی آیت میں بھی ستارے کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا: {وَ النَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾} ''قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔''

اس سورۃ کی ابتدائی آیات نہایت اہم اور مشکلات القرآن میں سے ہیں جن پر بڑی علمی بحثیں ہوئی ہیں۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے معراج واقعہ کے دوسرے یعنی آسمانی حصہ کا تفصیلاً ذکر ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا۔ ستارے کی قسم کے بعد آگے ارشاد ہوا:

{مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَ مَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾ وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾ ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ﴿۶﴾ }

''تمہارے صاحب (محمد ﷺ) نہ تو گمراہ ہوئے ہیں اور نہ ہی غلط راستہ پر چلے ہیں۔ اور نہ ہی وہ اپنی ہوائے نفس کی بنا پر کچھ کہتے ہیں ۔ یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر (نازل) کی جاتی ہے۔ انہیں تعلیم دی ہے بڑی طاقت والے ‘زور آور (جبرائیل) نے‘ جب وہ سیدھا بیٹھا۔'' (آیات ۲ تا ۶)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا ہے۔ پہلی مرتبہ افق پر اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔ اگلی آیات میں اس کا بیان ہے۔ فرمایا:

''(نبی اکرم ﷺ نے جبریل کو اصلی شکل میں پہلی دفعہ دیکھا) جب وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھے۔ پھر وہ قریب آئے اور لٹک گئے۔ پھر دو کمانوں جتنا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندے کو جو وحی کی۔ جو کچھ (آنکھوں نے) دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں۔ تو کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا ؟اور البتہ تحقیق انہوں نے ان (حضرت جبرائیل ؑ) کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا ہے ‘سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ‘جس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرۃ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا (یعنی تجلیاتِ ربانی کا نزول ہو

رہا تھا)۔'' (آیات ۷ تا ۱۶)

یہ مضامین ایسے ہیں کہ ان کو کتنے ہی سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے ' ہماری عقل کی

گرفت میں نہیں آسکتے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر کیا کیفیات ہیں' تجلیاتِ ربانی کی کیا کیفیت ہے' یہ ہماری عقل کے ادراک سے باہر ہے۔ پھر کیا اندازِبیان اختیار کیا گیا کہ جب سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا ۔ اب تم کیا سمجھو گے کہ کیا ڈھانپے ہوئے تھا؟ آگے فرمایا:

{مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿ ۱۷ ﴾ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿ ۱۸ ﴾ }

''ان کی نگاہ نہ کج ہوئی نہ حد سے بڑھی 'اور انہوں نے اپنے ربّ کی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کیا ۔''

ایک طرف تو آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کو نظر جما کر دیکھا ہے اور دوسری جانب آپ ﷺ کی نگاہ میں ادب بھی ہے کہ وہ حد سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے' لیکن اتنا تحمل بھی ہے کہ وہ چکاچوند نہیں ہو رہی ہے۔

آیات ۱۹ اور ۲۰ میں کفار کے تین بتوں کا ذکر ہے جن کو وہ سب سے زیادہ قابلِ احترام سمجھتے تھے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے مشرکین سے خطاب کیا جارہا ہے:

{اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ﴿ ۱۹ ﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿ ۲۰ ﴾ }

''بھلا تم نے لات اور عزیٰ پر بھی نظر کی ہے؟ اور وہ جو تیسری (دیوی) منات ہے؟''

مشرکین ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے ۔ اگلی آیات میں ان کے اس تصور کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں ہیں ؟ یہ تو بہت غلط تقسیم ہے۔ یہ تو بس ایک قسم کے نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے ہیں اور اللہ نے اس معاملے میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ محض اپنے گمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے۔'' (آیات ۲۱ تا ۲۳)

آیات ۲۷ اور ۲۸ بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں کہ کفارِ مکہ فرشتوں کو بھی اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اللہ نے اس کو بھی گمان کی پیروی قرار دیا۔ فرمایا:

{اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ﴿ ۲۷ ﴾ وَ مَا لَهُمْ

بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ﴿ ۲۸ ﴾ }

''جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے وہ ان فرشتوں کے عورتوں والے نام رکھتے ہیں 'حالانکہ ان کے پاس اس کی کچھ خبر نہیں ہے ۔یہ محض اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں 'اور حق بات کے مقابلے میں گمان کچھ کام نہیں

آئے گا۔''

آیات ۴۲ تا ۴۵ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا کہ اس عالم ارضی میں جتنے بھی متقابل اور متضاد احوال ہیں وہ سب میں نے ہی پیدا کیے ہیں۔ فرمایا:

{وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَہٰی ﴿۴۲﴾ وَ اَنَّہٗ ہُوَ اَضۡحَکَ وَ اَبۡکٰی ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّہٗ ہُوَ اَمَاتَ وَ اَحۡیَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی ﴿۴۵﴾ }

''اور یقینا (ہر ایک کو) تیرے رب تک پہنچنا ہے۔ یقیناوہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے' وہی مارتا ہے اور وہی زندگی بخشتا ہے' اور وہی ہے جس نے ہر چیز کا جوڑا بنایا نر اور مادہ کی صورت میں۔''

سُورۃُ القَمَر

اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں "شق القمر" کے واقعہ کا ذکر ہوا ہے جس کو عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو تحدی(challenge)کے ساتھ پیش کیا جائے' اور حضور ﷺ کا معجزہ صرف ایک ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔ جبکہ خرقِ عادت یعنی عام طبعی یا فطری قوانین سے ہٹ کر واقعات رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بے شمار ہوئے ہیں۔ شق القمر بھی ایک خرقِ عادت واقعہ تھا' جس کی تفاصیل بڑی مختلف ہیں' لیکن خلاصہ یہ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے اور اُس کے بعد وہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔

ابتدائی آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اگلی دو آیات میں اس جیسے واقعات پر کفار کے عمومی رویے کو بیان کیا گیا ہے:

{اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾ وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَ یَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَ کَذَّبُوۡا وَ اتَّبَعُوۡۤا اَہۡوَآءَہُمۡ وَ کُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳﴾ }

''قیامت قریب آپہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی' اور ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔''

اس سورۂ مبارکہ میں آیات ۹ تا ۱۷ میں قومِ نوح کا ‘آیات ۱۸ تا ۲۲ میں قومِ عاد کا ‘آیات ۲۳ تا ۳۲ میں قومِ ثمود کا اور آیات ۳۳ تا ۴۰ میں قومِ لوط کا مختصراً مگر جامع انداز میں تذکرہ ہے ۔ ان واقعات میں ایک چیز مشترک اور اہم ہے کہ ان میں سے ہر واقعہ کا اختتام ایک ہی آیت پر ہو رہا ہے اور وہ آیت ہے : {وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ } ’’اور ہم نے قرآن کو یاد دہانی کے لیے آسان کر دیا ہے‘ تو ہے کوئی اس سے نصیحت یا ہدایت کا طالب؟‘‘---- یہ قرآن مجید کا ایک چیلنج ہے اور اتمامِ حجت کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ قرآن اپنے علمی پہلوئوں کے اعتبار سے بہت غامض ہے اور اپنے اندر ایسی گہرائیاں لیے ہوئے بھی ہے کہ جن کی تہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا‘ لیکن دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کے لیے اصل ہدایت اور رہنمائی اس کی سطح پر ہی موجود ہے ‘جس کے لیے بہت زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہے۔ نصیحت اور ہدایت کے پہلو سے قرآن آسان ہے‘ جس کو ’’تذکر‘‘ کہا جاتا ہے ‘البتہ اس کی علمی‘ فکری اور عقلی گہرائیوں میں جانا انتہائی محنت و مشقت کے بغیر ممکن نہیں ہے‘ جس کو ’’تدبر‘‘ کہا جاتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۴۳ تا ۴۵ میں ایک طرح کی پیشین گوئی آئی ہے ‘جس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جتنے بھی مخالفین ہیں یہ سب پیٹھ دکھا دیں گے اور ان سب کو شکست ہو جائے گی۔ فرمایا:

{اَكُفَّارُكُمْ خَیْرٌ مِّنْ اُولٰٓىِٕكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ }

’’کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لیے (پہلی) کتابوں میں فارغ خطی لکھ دی گئی ہے؟ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط

ہے؟ عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگ جائیں گے۔‘‘

چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے آغاز سے قبل رات کو رسول اللہ ﷺ نے طویل ترین سجدہ کیا۔ اس کے بعد جب سر اٹھایا تو آپ کی زبان مبارک پر یہی آیت تھی: {سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ } معلوم ہوا کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کی توثیق فرمائی۔

سُورۃُ الرَّحمٰن

جیساکہ ابتدا میں عرض کیا گیا ہے کہ سورۂ قٓ سے سورۃ الواقعہ تک ‘مکی سورتوں کا گلدستہ عبارت کے حسن‘ ادب اور فصاحت و بلاغت کے پہلو سے قرآن مجید کا حسین ترین مقام ہے‘ اور پھر ان میں سے بھی سورۃ الرحمن کو اس حوالے سے قرآن مجید کا نقطہ عروج کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو گا ۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کو ’’عروس القرآن‘‘ قرار دیا ہے۔ اس سورۃ میں سے علیحدہ سے کوئی مضامین نکال کر لے آنا ممکن نہیں ہے‘ البتہ اس کی ابتدائی چار آیات میں چار چیزوں کا تذکرہ ہے ‘جو اپنی اپنی جگہ پر چوٹی کی ہیں۔ فرمایا:

{اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾}

’’(اللہ جو) نہایت مہربان (ہے) ‘اُسی نے قرآن کی تعلیم دی۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسی نے اس کو بیان کرنا سکھایا۔‘‘

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے چوٹی کے نام ’’الرحمن‘‘ کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں افضل ترین علم کا ذکر ہے جو اس نے اپنی مخلوق کو دیا ہے اور وہ چوٹی کا علم ہے ’’قرآن‘‘۔ تیسری آیت میں مخلوقات میں سے چوٹی کی مخلوق ’’انسان‘‘ کا تذکرہ ہے‘ جس کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ چوتھی آیت میں انسان کو ودیعت کی گئی صلاحیتوں میں سے چوٹی کی صلاحیت ’’بیان‘‘ کا ذکر ہے۔ انسانی دماغ

میں کلام اور بیان کا جو علاقہ ہے وہ سب سے زیادہ developed ہے۔ اب ان چار آیات کو جمع کیا جائے تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی قوتِ بیانیہ کا بہترین مصرف قرآن کو بیان کرنا ہے ۔ اور یہ وہی بات ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ نے فرمائی:((خَیۡرُکُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡآنَ وَعَلَّمَہٗ)) (۱) ’’تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور اسے (دوسروں کو) سکھائیں۔‘‘

اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ان تمام روحانی‘ جسمانی‘ دنیوی اور اُخروی نعمتوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جن سے جنوں اور انسانوں کو سرفراز کیا گیا‘ کیا جا رہا ہے یا کیا جائے گا --- ہر نعمت کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾}’’تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!‘‘ مذکورہ جملہ اس سورۃ میں ۳۱ مرتبہ آیا ہے‘ اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت جابر بن عبدا للہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ایک روایت نقل کی ہے‘ وہ فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے پوری سورۃ الرحمن کی تلاوت فرمائی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خاموش رہے تو آپؐ نے فرمایا: ’’میں نے یہ سورۃ ایک رات جنوں کو سنائی تھی ‘وہ اس کا تم سے بہتر جواب دے رہے تھے۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا: {فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾} تو وہ جواب میں کہتے : لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ ’’اے ہمارے ربّ! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے‘ پس

تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔'' (۲)
ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم بھی جب اس آیت کو پڑھیں یا سنیں تو یہی جواب دیں۔
آیت ۴۶ سے سورۃ کے آخر تک ان نعمتوں کا ذکر ہے جو آخرت میں متقی اور نیک انسانوں اور جنوں کو عطا کی جائیں گی۔ فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔

(۲)سنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الرحمن۔

''اور ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے، دو باغ ہیں ...ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور...ان باغوں میں دو رواں چشمے ہیں... ان باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں... (جنتی لوگ) ایسے فرشوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے جن کے استر ریشم کے ہوں گے اور باغوں کی ڈالیاں (پھلوں سے) جھکی ہوں گی ... ان کے درمیان شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جن کو ان سے پہلے کسی جن اور انسان نے نہیں دیکھا ہوگا ...ایسی خوبصورت جیسے ہیرے موتی... ان باغات میں پھل، کھجوریں اور انار ہوں گے...ان میں خوبصورت اور خوب سیرت بیویاں ہوں گی ... خیموں میں ٹھہرائی ہوئی حوریں ہوں گی ... وہ جنتی سبز قالینوں اور نادر فرشوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل و کریم کا نام۔'' (آیات ۴۶ تا ۷۸)

سُورۃُ الوَاقِعَۃ

سورۂ ق سے جو سات مکی سورتوں کا گلدستہ شروع ہوا وہ سورۃ الواقعہ پر آکر اختتام پذیر ہورہا ہے۔ ان تمام سورتوں کا اہم ترین موضوع قیامت ہے اور اس سورۃ کی ابتدا بھی اسی سے ہو رہی ہے ۔ فرمایا:

{ اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ﴿۲﴾ }

''جب وہ واقعہ ظہور پذیر ہوگا 'تو پھر اس کا جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔''

آج تو یہ جھٹلا رہے ہیں کہ کیسے ممکن ہے 'کیونکر ہوگا' کب ہوگا' وغیرہ وغیرہ 'لیکن جب یہ وقوع پذیر ہوگا تو اس وقت یہ دنگ رہ جائیں گے اور ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں گی۔

آیت ۳ میں قیامت کے ایک پہلو کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:{خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۙ﴿۳﴾ } ''(اور یہ واقعہ) کچھ کو نیچے گرا دے گا اور کچھ کو اونچا کر دے گا''۔ظاہر ہے کہ جو لوگ اِس دنیا میں اُس دن سے غافل ہو کر بڑی شان و شوکت اور عیش و عشرت میں زندگیاں بسر کر رہے ہیں اُس روز وہ پستیوں میں گرنے والے ہیں' جبکہ دوسری جانب وہ لوگ جو اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری میں درویشانہ زندگی گزار رہے ہیں' جن کے متعلق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ کہیں رشتے کا پیغام بھیجیں تو کوئی ان سے رشتہ کرنا پسند نہ کرے' وہ کسی کی سفارش کرنا چاہیں تو کوئی ان کی بات نہ سنے اور یہ لوگ کسی محفل میں جگہ نہ پا سکیں' لیکن اللہ کے ہاں ان کا مقام یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں بھولے سے قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھے گا۔ قیامت کے روز اللہ کے ہاں ایسے لوگ بلند مراتب پر فائز ہوں گے۔

اس سورۂ مبارکہ میں قیامت کے دن تمام انسانوں کے تین گروہوں میں منقسم ہوجانے کا ذکر ہے۔ ویسے تو اجمالی طور پر سورۃ الرحمن میں بھی اس کا ذکر آیا ہے' لیکن اس سورۃ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

{وَ کُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً ؕ﴿۷﴾ فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۸﴾ وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِ ؕ﴿۹﴾ وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ }

''(جب قیامت واقع ہوگی) اور تم (بنی نوع انسان) تین گروہوں میں تقسیم ہوجاؤ گے: (۱)داہنی طرف والے' کیا خوب ہیں داہنی طرف والے (۲) بائیں طرف والے' کیا ہی برے ہیں بائیں طرف والے (۳) سبقت لے جانے والے '(کیا ہی خوب ہیں) سبقت لے جانے والے۔''

جو کامیاب ہونے والے لوگ ہوں گے وہ بھی دو جماعتوں میں منقسم ہوں گے: ایک ''السَّابقون'' ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کے معاملہ میں بھی سبقت کی' یعنی ایمان لانے میں پہل کی اور پھر اس کے لیے جان و مال قربان کرنے میں بھی آگے نکل گئے' ان کے بارے میں فرمایا گیا:

''یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے قریب ترین ہوں گے' نعمت کے باغات میں۔ ان میں پہلوں میں سے زیادہ اور بعد والوں میں سے کم لوگ شامل ہوں گے۔ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے' تکیہ

لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ گھومتے پھرتے ہوں گے ان (کی خدمت) کے لیے نوجوان لڑکے جو ہمیشہ ایک سے رہیں گے ۔(ان کے ہاتھوں میں) پیالے' آفتابے اور جام ہوں گے شرابِ طہور کے ' جس سے نہ وہ سردرد محسوس کریں گے

اور نہ مدہوش ہوں گے۔ اور میوے ہوں گے جو وہ پسند کریں گے۔ اور اڑتے پرندوں کا گوشت ہو گا جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی' ایسے موتیوں کی مانند جو غلافوں میں چھپے ہوئے ہوں۔ یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کرتے رہے تھے۔'' (آیات ۱۱ تا ۲۴)

اہل جنت کا ایک دوسرا گروہ ''اصحابُ الیمین'' بھی ہو گا 'جو ''السابقون'' سے درجے میں کم ہوں گے ان کے بارے میں فرمایا:

''وہ (مزے کر رہے) ہوں گے بے خاربیریوں میں' اور کیلے کے گچھوں میں' اور لمبے سایوں میں 'اور پانی کے آبشاروں میں' اور پھلوں کی بہتات میں' کہ نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا ' اوراونچے (پلنگوں پر بچھے ہوئے) بستروں میں۔ ہم نےپیدا کیا ہے ان (کی بیویوں) کو اچھی اٹھان پر' پس ہم نے ان کو کنواریاں 'پیار کرنے والیاں اور ہم عمر بنایا۔ (یہ سب نعمتیں ہیں) اصحابِ یمین کے لیے۔ (ان میں شامل ہوں گے) ایک بڑی جماعت پہلوں میں سے اور ایک بڑی جماعت بعد والوں میں سے۔'' (آیات ۲۷ تا ۴۰)

تیسرا گروہ ''اصحاب الشمال'' یعنی جہنم والوں کا ہے۔ ان کے برے انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''(اصحاب ا لشمال) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی ' اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے' نہ یہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ آرام دہ... ان کو کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے (اور ان سے کہا جائے گا) تم بھرو اس سے اپنےپیٹ کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا ہوا پانی (اور ان سے کہا جائے گا)پیو جیسےپیاسا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی مہمان نوازی ہو گی قیامت کے دن۔'' (آیات ۴۱ تا ۵۶)

اصحاب الشمال کے اس برے انجام کی وجوہات کا بھی تذکرہ کیا گیا کہ یہ لوگ قیامت کے قیام اور بعث بعد الموت کا نہ صرف انکار کرتے تھے بلکہ تضحیک بھی کرتے تھے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی چند چیزوں کا تذکرہ کر کے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ ان چیزوں کو کس نےپیدا کیا اور یہ کس کی قدرت میں ہیں؟ فرمایا:

{اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ }

''بھلا دیکھو' جو پانی کا قطرہ (نطفہ) تم ٹپکاتے ہو۔ کیا تم اس سے (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟''

{اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ﴿۶۴﴾ }

''بھلا دیکھو' جو تم بوتے ہو۔ کیا تم اس کو اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟''

{ اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ }

''بھلا دیکھو' وہ پانی جو تم پیتے ہو' کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم ہیں اتارنے والے؟''

{اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشُـُٔوۡنَ ﴿۷۲﴾ }

''بھلا دیکھو' وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو۔ کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا یا ہم ہیں پیدا کرنے والے؟''

سورۃ کے آخری رکوع میں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی قسم کھا کر قرآن مجید کا ذکر بڑی عظمت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

{فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ﴿۷۷﴾ فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾ }

''سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی ---- اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے ----- کہ بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے' جو لکھا ہوا ہے ایک محفوظ کتاب میں۔ اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں (یعنی فرشتے) ۔ اُتارا گیا ہے تمام جہانوں کے مالک کی طرف سے۔''

{لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ } کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ ناپاکی کی حالت میں اس کلام پاک کو نہ چھوا جائے' اسے باوضو ہاتھ لگایا جائے' لیکن اس کا ایک

مفہوم یہ بھی ہے کہ جن کے اندر پاکی نہیں ہوتی' جن کا تزکیہ نفس نہیں ہو چکا ہوتا ان کی رسائی اس کتاب کے اصل مطالب تک نہیں ہو سکتی۔ ویسے تو یہ کھلی اور روشن کتاب ہے لیکن اس کے مطالب و مفاہیم تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی فکر و نظر کے اندر طہارت ہو' اس کی نیت درست ہو' اس میں طلب ہدایت پیدا ہو چکی ہو۔ ایسے لوگوں پر اس کے مطالب منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔

آیات ۸۸ تا ۹۴ میں ایک مرتبہ پھر اجمالی طور پر بنی نوع انسان کے مذکورہ بالا تین گروہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' جبکہ اس سورۃ کی آخری آیت تسبیح و تحمید کے اعتبار سے بہت اعلیٰ شان والی ہے : {فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۹۶﴾ }''پس آپ اپنے رب کے نام کے ساتھ تسبیح کیجیے جو سب سے بڑا ہے''۔ بعینہٖ یہی الفاظ اس سورۃ کی

آیت ۴۷ میں بھی آئے ہیں۔

سُورَۃُ الْحَدِید

سورۃ الحدید سے پہلے سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ سات مکی سورتوں کا ایک گلدستہ ہے' جو اختتام پذیر ہوا۔ اب یہاں سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا گلدستہ ہے جو قرآن حکیم میں سورتوں کی تعداد کے حوالہ سے مدنی سورتوں کا سب سے بڑا گلدستہ ہے۔ ان سورتوں کا ایک خاص معاملہ یہ ہے کہ یہ مدنی دور کے نصف آخر میں نازل ہوئی ہیں اور ان میں اصل خطاب اُمت ِ مسلمہ سے ہے 'اور ان سورتوں کے جو اہم موضوعات ہیں وہ بھی مسلمانوں ہی سے متعلق ہیں۔ ان میں دوسری مشترک بات یہ ہے کہ دوسری بڑی مدنی اور مکی سورتوں میں جو مضامین تفصیلاً زیر بحث آئے ہیں' ان کا خلاصہ ان سورتوں میں دیا گیا ہے ۔اُمت مسلمہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ضمناً اہل کتاب کا بھی ذکر آیا ہے' لیکن وہ صرف بطور نشانِ عبرت کے ہے۔ ان کی غلطیوں ' سرکشیوں اور نافرمانیوں ' جن کی وجہ سے ان کو اس مقام سے معزول کیا گیا جس پر اب نئی اُمت مسلمہ کو فائز کیا گیا ہے' سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان ان راہوں

سے بچیں جن پر یہ لوگ چلے تھے اور نتیجتاً عذاب الٰہی کا شکار ہوئے تھے۔

ان میں سے پانچ سورتوں (الحَدید' الحَشر' الصَّف' الجُمعۃ' التَّغابن) کا آغاز سَبَّحَ لِلّٰہِ یا یُسَبِّحُ لِلّٰہِ یعنی تسبیح خداوندی سے رہا ہے 'اس لیے ان پانچ سورتوں کے مجموعے کا ایک نام ''اَلْمُسَبِّحات'' بھی ہے۔ اس مجموعہ میں سب سے بڑی سورۃ ''سورۃ الحدید'' ہے جو سب سے زیادہ جامع بھی ہے۔ میں نے اس کو ''اُمُّ الْمُسَبِّحات'' کا نام دیا ہے ' اس لیے کہ ان مُسَبِّحات سورتوں کے تمام مضامین جامعیت کے ساتھ سورۃ الحدید میں آئے ہیں ' جبکہ بقیہ سورتوں میں ایک ایک مضمون کسی قدر شرح و تفصیل سے آیا ہے۔ مجھے اس سورۃ سے ایک خاص قلبی اور ذہنی لگاؤ ہے اور میرے نزدیک اس سورۃ کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو مکی سورتوں میں سورۃ الشوریٰ کا ہے۔

اس سورۃ کی پہلی چھ آیات ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ہیں' اور میرے اندازے (assesment) کے مطابق یہ اس ضمن میں قرآن حکیم کا جامع ترین مقام ہے۔ فرمایا:

{سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲﴾ ہُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاہِرُ وَ الۡبَاطِنُ ۚ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴﴾ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵﴾ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ؕ وَ ہُوَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۶﴾}

''تسبیح بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ زبردست ' حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کے لیے ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور وہ ہرچیز پر قادر ہے۔ وہی ہے اول (پہلا) اور وہی ہے آخر (پچھلا)' وہی ہے ظاہر (انتہائی نمایاں اور غالب) اور

وہی ہے باطن (چھپا ہوا اور انتہائی مخفی)' اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں' پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے 'اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو 'اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے' اور تمام معاملات (فیصلے کے لیے) بالآخر اُسی کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں ۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور وہ سینوں کے پوشیدہ راز تک جانتا ہے۔''

ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے حوالہ سے یہ قرآن مجید کا سب سے عظیم مقام ہے اور ان آیات میں چوٹی کی آیت ہے: {ہُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاہِرُ وَ الۡبَاطِنُ ۚ}۔ اس چھوٹی سی آیت کی ہمارے صوفیاء اور فلاسفہ کے نزدیک بہت اہمیت ہے۔ امام رازی' جو بہت بڑے منطقی ' فلسفی اور متکلم ہیں' اس آیت کے حوالے سے فرماتے ہیں: اِعۡلَمۡ اَنَّ ھٰذَا الۡمَقَام مَقَامٌ غَامِضٌ عَمِیقٌ مُہِیبٌ ''جان لو کہ یہ مقام انتہائی غامض' عمیق 'نہایت گہرا اورُپرہیبت مقام ہے۔''

اگلی چھ آیات (۷ تا ۱۲)میں اللہ تعالیٰ کے انسانوں سے دو تقاضے بیان ہوئے ہیں: ایمان اور انفاق۔ یہ گویا انسانوں کی کامیابی کی دو شرائط ہیں۔ پہلی یہ کہ ہمیں ماننے جیسے ماننے کا حق ہے اور دوسری یہ کہ جو کچھ ہم نے اس کو دیا ہے اسے ہماری راہ میں لگا دے اور کھپا دے۔ اب جو شخص یہ دونوں کام کرے گا وہ کامیاب قرار پائے گا اور جو ان سے پہلوتہی کرے گا وہ ناکام ونامراد ہو گا۔ فرمایا:{اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ اَنۡفَقُوۡا لَہُمۡ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۷﴾}

''ایمان لائو اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر (یا ایمان رکھو اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر) اور خرچ کر دو (لگا

دو‘ کھپا دو) ان سب چیزوں میں سے جس میں اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے۔ تو جو لوگ تم میں سے (دین متین کے یہ دو تقاضے پورے

کردیں‘ یعنی) ایمان لے آئیں اور انفاق کا حق ادا کر دیں تو ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔‘‘

اس آیت میں جامعیت کے ساتھ دین کے تقاضوں کو دو الفاظ میں بیان کردیا گیا ہے‘ جبکہ اس کے بعد ہر ایک تقاضے پر دو دو آیات آ رہی ہیں۔ ایک آیت میں ذرا سرزنش اور ملامت کا انداز ہے اور دوسری میں ترغیب وتشویق ہے۔ ایمان باللہ کے حوالے سے فرمایا:

{وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿ ۸ ﴾}

’’تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے درانحالیکہ رسول تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ اپنے ربّ پر ایمان رکھو‘ اور وہ تم سے قول و قرار لے چکا ہے‘ اگر تم واقعی مؤمن ہو۔‘‘

اگلی آیت بھی ایمان باللہ کے حوالے سے ہے لیکن اس میں ترغیب و تشویق ہے اور ایمان کا منبع و سرچشمہ قرآن کو قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

{هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿ ۹ ﴾}

’’وہی ہے (اللہ) جو نازل فرما رہا ہے اپنے بندے پر روشن آیات‘ تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے‘ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔‘‘

اگلی دو آیات (۱۰‘ ۱۱) دین کے دوسرے تقاضے یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت میں وہی سرزنش کا سا انداز ہے۔ فرمایا:

’’اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (تم پر بخل کیوں طاری ہو گیا؟ تم نے سینت سینت کر رکھنے کی روش کیوں اختیار کر لی؟) حالانکہ آسمان و زمین کی وراثت تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ (تم سب دنیا سے چلے جائو گے اور یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے رہ جائے گا۔) برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح سے پہلے انفاق اور قتال کیا تھا۔ ان کے درجات بہت بلند ہیں اُن

کے مقابلے میں جنہوں نے فتح کے بعد انفاق اور قتال کیا‘ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔‘‘

اس آیت میں خرچ کرنے کے دو درجات بتائے گئے ہیں کہ جنہوں نے اسلام کی غربت‘ کمزوری اور فتح سے قبل خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ کی ان کا درجہ و رتبہ ان لوگوں کی نسبت بہت بلند ہے جو یہی کام اسلام کو

غلبہ حاصل ہونے کے بعد کر رہے ہیں۔

آیت ۱۱ بھی انفاق ہی سے متعلق ہے لیکن اس میں اندازِ ترغیب و تشویق کا ہے۔ فرمایا:

{مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَ لَہٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۱﴾}

''کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرضِ حسنہ تو اللہ اسے اس کے لیے بڑھاتا رہے' اور اس کے لیے بہت بڑا باعزت اجر ہے۔''

اب خرچ نہ کرنا' بچ بچ کر چلنا اور منجھدار میں کودنے سے پہلوتہی کرنے کا نتیجہ نفاق ہے۔ ''انفاق'' اور ''نفاق'' میں بس ایک ''الف''ہی کا فرق ہے ---- اس سورۃ کی آیات ۱۲ تا ۱۵ بھی اہلِ ایمان اور منافقین کے مابین تفریق ہی سے متعلق ہیں۔ پھر ان میں سے بھی میرے نزدیک پورے قرآن مجید میں آیت ۱۳ نفاق کی حقیقت کے موضوع پر عظیم ترین آیت ہے جس میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے 'جس میں ایک مرحلہ ایسا آئے گا جسے ہم ''پل صراط'' سے تعبیر کرتے ہیں' اس مرحلہ پر اہل ایمان اور منافق چھانٹ چھانٹ کر علیحدہ کر دیے جائیں گے۔ اُس وقت منافق اہلِ ایمان کو پکاریں گے۔

{یُنَادُوۡنَہُمۡ اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ لٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ وَ تَرَبَّصۡتُمۡ وَ ارۡتَبۡتُمۡ وَ غَرَّتۡکُمُ الۡاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَ غَرَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۱۴﴾}

''وہ انہیں پکار کر کہیں گے : کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ (اہل ایمان) کہیں گے: کیوں نہیں ! (یعنی دنیا میں تو تم بھی مسلمان شمار ہوتے تھے) مگر تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا کیا اور پھر تم گومگو اور شکوک و شبہات کی کیفیت میں مبتلا ہوگئے' اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالے رکھا 'یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آگیا اور وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکہ دیتا رہا۔''

اس سورۃ کی آیت ۱۶ بھی میرے نزدیک اپنے مضمون ''تاخیر و تعویق'' کے اعتبار

سے قرآن مجید کا نقطہ عروج ہے۔ فرمایا:

{اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَ لَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾}

''کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے اہل ایمان کے لیے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لیے اور (وہ تسلیم کر لیں اس سب کو) جو حق میں سے نازل ہوا ہے؟ اور نہ ہو جائیں ان لوگوں کے مانند جنہیں کتاب دی گئی تھی پہلے 'تو ان پر ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے' اور ان میں بہت سے فاسق و فاجر ہیں۔''

آیت ۲۰ بھی میرے نزدیک قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ اس میں دُنیوی زندگی کی حقیقت

کھول کر دکھا دی گئی ہے اور اس میں انسانی زندگی کے پانچ مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

{اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ وَّ زِیۡنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَ تَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطَامًا ؕ وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّ مَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانٌ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾}

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دِل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہو گئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا' پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی' پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''

آیت ۲۵ اس سورۃ کی عظیم ترین آیت ہے اور اس پوری سورۂ مبارکہ کا نقطہ عروج ہے۔ فرمایا:

{لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۵﴾}

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح تعلیمات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب بھی اتاری اور میزان بھی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی صلاحیت بھی ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے منافع بھی' تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون ہیں (اس کے وفادار جو غیب میں رہتے ہوئے بھی اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔یقینا اللہ بڑی قوت والا' زبردست ہے۔''

میزان دراصل وہ نظامِ شریعت ہے جس میں ہر ایک کے حقوق متعین کر دیے گئے ہیں تاکہ کوئی نہ تو کسی کو اس کے حق سے محروم کرے اور نہ خود اپنے حق سے زیادہ حاصل کرے۔یہ میزان صرف دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ نصب کرنے کے لیے اتاری گئی ہے' اور پھر جو اس میزان اور نظامِ شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالے تو ان کا سر کچلنے کے لیے ہم نے لوہا اتارا ہے۔

یہ موضوع دراصل دین کے فلسفے اور حکمت کے حوالہ سے اہم ترین موضوع ہے۔ جس نے اس کو نہیں سمجھا اس کے نزدیک دین صرف ایک مذہب بن کر رہ جائے گا اور اس کی حیثیت ایک مکمل نظام کی نہیں رہے گی' لہٰذا جس نے اس آیت اور اس کے مفہوم کو سمجھ لیا تو اس کے سامنے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اس سے بڑا انقلابی پیغام اور کوئی نہیں ہے۔ اسی نظام عدل کو سورۃ الشوریٰ میں بایں بیان کیا گیا ہے:

{اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ} (آیت ۱۷)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی اور میزان اُتاری۔''

سُورۃُ المُجَادَلَۃ

یہ سورۃ ۲۲ آیات اور ۳ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدا میں ظہار کے احکام

تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص غصے میں اپنی بیوی سے یہ کہہ بیٹھتا کہ تم میری ماں کی طرح ہو' تو سمجھا جاتا تھا کہ اب وہ اس پر ماں کی طرح ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ اس سورۃ کی ابتدائی چار آیات میں ظہار کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ زبان سے کہہ دینے سے بیوی ماں نہیں بن جائے گی' البتہ اس طرح کہنے پر شوہر کے ذمہ کفارہ لازم ہو گا۔ فرمایا:

{اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿ ۲ ﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿ ۳ ﴾ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿ ۴ ﴾ }

''جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور یقینا اللہ معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے --- اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے --- پس جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو ماہ کے روزے رکھے۔ پس جو اس کی بھی طاقت نہ رکھے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے تقاضے ادا کرو۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' اور نہ ماننے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیات ۷ تا ۱۳ میں نجویٰ یعنی دینی اسلامی جماعت اور اُس کے قائد یا رہنما کے خلاف سازشی انداز میں باتیں کرنے اور کھسر پسر کرنے سے متعلق تفصیلی احکام آئے

ہیں۔ اس حوالے سے یہ باور کرایا گیا ہے کہ کسی بھی اسلامی جماعت اور اس کے مقصد کو دیمک کی طرح چاٹ جانے والی شے یہ نجویٰ ہے۔ اس لیے اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ وَ تَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹﴾}

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا' بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا' اور اللہ سے ڈرتے رہنا جس کے سامنے تم جمع کیے جاؤ گے۔''

آیات ۱۴ تا ۱۹ میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے اور اس کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے والوں کے برے انجام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے تھے جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے' اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں یقینا برا ہے... جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے تھے اور گمان کریں گے کہ شاید (بچنے کی) کوئی راہ نکل آئے۔ سن لو! یہ بہت جھوٹے ہیں۔''

سورۃ کے آخر (آیات ۲۰ تا ۲۲) میں وہ مضمون آگیا جو ان سورتوں کا مرکزی مضمون ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

{اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ ﴿۲۰﴾ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَ یُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾}

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں وہی سب سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور' زبردست ہے۔ وہ لوگ جو حقیقتاً اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمنوں سے ہرگز محبت کرنے والا نہ پاؤ گے' خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے' یا ان کے بھائی ہوں یا رشتہ دار۔ (ایسے لوگ جن کی دلی محبت اللہ' اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ ہو' اور وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن لگانے کے لیے تیار ہو گئے ہوں) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے اور ان کی تائید کی ہے اپنی طرف

سے روحِ خاص سے۔ اور اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ ہیں اللہ کی جماعت کے لوگ' آگاہ رہو کہ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔'' (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)

سُورۃُ الحَشْر

یہ سورۃ سلسلۂ ''مُسَبِّحات'' کی دوسری سورۃ ہے' اور سورۃ الحدید کی طرح سَبَّحَ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ فرمایا: {سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱﴾} ''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے' اور وہ غالب' حکمت والا ہے۔''

آیات ٦ تا ١٠ میں مالِ فے اور اس کے مصارف کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ مالِ فے سے مراد وہ مفتوحہ مال اور اراضی ہے جو بغیر جنگ اور لڑائی کے مسلمانوں کی جماعت کو حاصل ہوجائے۔ اس کے مصارف مالِ غنیمت کے مصارف سے مختلف ہیں۔ فرمایا:

''اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دیا وہ ایسا (مال) نہیں ہے جس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے' بلکہ اللہ اپنے رسولوں

کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ ان بستی والوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ' رسول' (رسول کے) رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے' تاکہ وہ (مال و دولت) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجائو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (آیات ٦-٧)

ان آیات میں {کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ؕ} کے الفاظ میں اسلامی نظامِ معیشت کا ایک بنیادی اصول بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین اصولی آیات میں سے ہے' جس میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش ایک خاص طبقہ کے بجائے پورے معاشرے میں یکساں ہونی چاہیے۔

اس سورۃ کا اہم ترین حصہ اس کا آخری رکوع ہے اور اس رکوع کی ہر آیت قابل توجہ ہے ۔ آیت ۱۸ میں آخرت کی تیاری کے حوالے سے فرمایا گیا:

{یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾}

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل (یوم قیامت) کے لیے کیا آگے بھیجا ہے ۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک وہ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔''

آیت ۱۹ فلسفہ و حکمت دین کے اعتبار سے چوٹی کی آیت ہے۔ کہا جا رہا ہے :

{وَ لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنۡسٰىهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۹﴾}

''تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے اُن کو اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ یہی تو بدکردار لوگ ہیں۔''

اس کے بعد آیت ۲۱ میں قرآن مجید کی عظمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾}

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔ اور یہ وہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

ایسی ہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے سورۃ الاعراف میں آئی تھی ۔جب اُن کی طرف سے دیدارِ الٰہی کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ایک پہاڑ پر ڈالی تو وہ پہاڑ اس تجلی کی تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ قرآن مجید بھی چونکہ اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے لہٰذا اس کی شان بھی یہی ہے کہ اگر اسے کسی پہاڑ پر اُتار دیا جاتا تو اس پہاڑ کا نقشہ بھی وہی ہوتا۔

سورۃ الحشر کی آخری تین آیات سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات کی مانند عظیم مقام و مرتبہ کی حامل ہیں۔ ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسمائِ حسنہ کا قرآن کریم میں سب سے بڑا گلدستہ آیا ہے۔ کسی اور مقام پر تین آیات میں سولہ (۱۶) اسماء حسنیٰ کا مجموعہ نہیں ملے گا ۔ اس لیے یہ آیات معرفت خداوندی کے عظیم خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ فرمایا:

{هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ

الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۴﴾ }

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا' بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ' پاک' سلامتی اور امن دینے والا' نگہبان' غالب' زبردست' بڑائی والا۔ پاک ہے اللہ ان سے جو وہ شریک مقرر کرتے ہیں۔ وہی اللہ پیدا کرنے والا

ایجاد کرنے والا' صورتیں بنانے والا ہے' اُسی کے لیے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ اُس کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے' اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔''

سُورَۃُ الۡمُمۡتَحِنَۃ

سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا گلدستہ ہے جو قرآن حکیم میں سورتوں کی تعداد کے حوالے سے مدنی سورتوں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔یہ سورتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں اصل خطاب مسلمانوں سے بحیثیت ِاُمت ِمسلمہ ہے اور ان سورتوں کے جو اہم مضامین ہیں وہ بھی مسلمانوں ہی سے متعلق ہیں۔ دوسری مشترک بات ان سورتوں میں یہ ہے کہ ان میں انداز جھنجھوڑنے والا ہے' یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جذباتِ ایمانی' جوشِ جہاد اور جذبہ انفاق میں کوئی کمی آ رہی ہو جس پر ملامت کی جا رہی ہو۔ آج کے دور کے مسلمان' جن میں اب یہ چیزیں نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہیں بلکہ ناپید ہو گئی ہیں' اگر توجہ کے ساتھ ان سورتوں کا مطالعہ کریں تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ اُن کے جذبہ ایمانی میں کچھ حرارت پیدا ہو جائے اور جوشِ جہاد اور جذبہ انفاق کو بھی جلا مل جائے۔ بہرحال آج کی پہلی زیر درس سورۃ ''الممتحنہ'' ہے۔

سورۃ الممتحنہ اپنے مضامین کے اعتبار سے سورۃ المجادلہ کے بہت مشابہ ہے۔ سورۃ المجادلہ میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ آئی تھی کہ حزب اللہ ہونے کے اعتبار سے مسلمانوں میں یہ وصف راسخ ہو جاتا ہے کہ ان کی دلی محبتیں صرف اللہ اور اہل ایمان کے ساتھ ہوں اور باقی ساری محبتیں اس کے تابع ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو جماعتی زندگی بہت کمزور ہو گی اور اللہ کی راہ میں ایسی جدوجہد نہ ہو سکے گی جیسے اس کا حق ہے۔ سورۃ الممتحنہ کا آغاز بھی اسی مضمون سے ہو رہا ہے۔ فرمایا:

{یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ} (آیت ۱)
''اے اہل ایمان ! میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بنائو۔''

یعنی دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ کے ساتھ تعلق کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو:
((مَنۡ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبۡغَضَ لِلّٰہِ وَاَعۡطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسۡتَکۡمَلَ الۡاِیۡمَانَ))(سنن ابی داؤد)
''جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے اور کسی سے دشمنی رکھی تو اللہ کے لیے' کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور کسی سے کچھ روکا تو بھی اللہ کے لیے 'تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔''
اس کے بعد آیت ۳ میں بھی یہی مضمون بڑی تاکید اور اہتمام کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں فرمایا گیا:
{لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۳﴾}
''قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ دار کچھ فائدہ دیں گے اور نہ تمہاری اولاد۔ اُس روز وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا ۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ۔''
پہلے رکوع کے آخر (آیت ۵) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی ایک دعا نقل ہوئی ہے :
{رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ اغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۵﴾}
''اے ہمارے پروردگار ! ہمیں کفار کے لیے تختہ ''مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار ! ہمیں معاف فرما دے۔ یقینا تو غالب ' حکمت والا ہے۔''
یعنی وہ اپنے رب کے حضور دعا گو تھے کہ یارب ہمیں ان ظالموں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے سے بچانا 'اس لیے کہ یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ جیسے مکہ میں مسلمان ستائے جا رہے تھے اور ہر طرح کا ظلم ہو رہا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل مکہ کو تو گویا مہلت دی جا رہی تھی اور اہل ِایمان کی بہت سخت آزمائش ہو رہی تھی --- انسان کو ہمیشہ

آزمائش سے بچنے اور آزمائش آجانے کی صورت میں سرخرو ہونے کی دعا کرنی چاہیے۔
سورۃ کے آخر میں خواتین کی بیعت کا ذکر ہوا ہے جبکہ مردوں کی بیعت کا مفصل ذکر سورۃ الفتح میں بیعت رضوان کے حوالے سے آچکا ہے۔ یہاں پر ارشاد ہوا :
{یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡرِقۡنَ وَ لَا یَزۡنِیۡنَ وَ لَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ وَ لَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَایِعۡہُنَّ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ نہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کریں گی' نہ چوری کریں گی' نہ بدکاری کا ارتکاب کریں گی' نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں آپؐ کی نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔ یقینا اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں {وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ} کے الفاظ آئے ہیں' جو بڑے بامعنی الفاظ ہیں۔ ان کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی پر زنا کی تہمت نہ لگائی جائے جو قذف ہے' جبکہ ان الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھوں اور پائوں کے الفاظ انسان کی شرمگاہ کے لیے ایک استعارہ ہے اور عورت کی طرف سے اس معاملہ میں تہمت یہ ہے کہ وہ کسی اور کی اولاد اپنے شوہر کے نام کر دے۔ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

سُورۃُ الصَّف

اس سے پہلے بھی یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا یہ مجموعہ بہ لحاظ تعداد قرآن حکیم کا مدنی سورتوں کا سب سے بڑا گلدستہ ہے اور اس کے بالکل وسط میں سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ آئی ہیں۔ سورۃ الممتحنہ کے بعد اس مدنی گلدستے کی بقیہ چھ سورتیں حسین و جمیل جوڑوں کی شکل میں ہیں اور ان میں بھی سب

سے زیادہ حسین جوڑا سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کا ہے۔ جوڑے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سورتیں مل کر کسی ایک مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں سورتیں مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے دو پہلو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت اور اس مقصد کو پورا کرنے کے طریقہ کار' کی تکمیل کرتی ہیں۔

سورۃ الصف "مُسَبِّحات" میں سے ہے۔ اس کے آغاز میں فرمایا:

{سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾}

''اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے' اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس سورۃ کی مرکزی آیت اس کے پہلے رکوع کی آخری آیت ہے' جس میں فرمایا گیا:

{ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۙ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۹﴾}

''وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کرے اس کو کُل کے کل دین پر خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جو بات سورۃ الحدید میں تمام انبیاء و رسل کے لیے آئی تھی کہ ہم نے اپنے رسول بھیجے کتابوں اور میزان کے ساتھ تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں' اب وہی بات متعین طور پر حضور اکرم ﷺ کی شان میں آئی ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے ۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ دین اس لیے نہیں آیا کہ آپ کی تحقیق کا موضوع بن جائے یا زبان سے بس اس کی مدح کی جاتی رہے بلکہ درحقیقت یہ دین تو ایک نظام زندگی ہے اور نظام ہوتا ہی وہ ہے جو بالفعل قائم ہو۔ اب ظاہر بات ہے کہ غیر مسلم اور کفار اس دین (نظامِ زندگی) کے غالب ہونے کو گوارا نہیں کریں گے' وہ تو رکاوٹیں ڈالیں گے' جبکہ نبی کا کام یہ ہے ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اس دین کو قائم اور غالب کرے۔

آگے آیت ۱۰' ۱۱ میں اہل ایمان کو جہاد کی دعوت دی جا رہی ہے اور اس کو ایک

ایسی تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو انہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلانے والی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

{یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾}

''اے ایمان والو! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ایسی تجارت کی طرف جو تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلا دے! (وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائو اور اس کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔''

ظاہر ہے کہ تجارت میں بھی جان اور مال دونوں لگانے پڑتے ہیں اور جہاد میں بھی ان ہی دونوں چیزوں کو لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

آیت ۱۳ میں اس تجارت کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: {وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَہَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾}'' اور ایک دوسری شے بھی (تمہیں حاصل ہو گی) جو تمہیں بہت پسند ہے۔ اللہ کی مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح ۔ اور مؤمنین کو اس کی خوشخبری دے دو''۔یعنی اگر ہم اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اُخروی کامیابی کے ساتھ ساتھ اس دُنیوی زندگی میں بھی ہمیں نصرتِ خداوندی حاصل ہو گی۔ سورۂ محمد میں ہم پڑھ آئے ہیں: {یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ ﴿۷﴾}''اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا''۔ اسی طرح سورۂ آل عمران میں

فرمایا گیا: {وَ لَا تَہِنُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾}’’(دیکھو) بے دل نہ ہونا اور غم نہ کرنا اگر تم مؤمن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے‘‘۔ یہی موضوع زیر مطالعہ سورۃ الصف کی آخری آیت میں اپنے عروج (climax) کو پہنچتا ہے جس میں اللہ نے اہل ایمان کو اپنا مددگار قرار دیا ہے ۔ فرمایا:

{یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ

} (آیت ۱۴)

’’اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں ؟‘‘

یہاں یہ بات بھی نوٹ کریں کہ سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ (جو سورۃ الحدید کی عظیم ترین آیت ہے) کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں:{وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالۡغَیۡبِ }’’تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون ہیں جو اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں غیب میں رہتے ہوئے‘‘۔اب اسی مضمون پر سورۃ الصف کا بھی اختتام ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے میری نظر میں پوری سورۃ الصف سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ کی تشریح ہے ۔

اس کے علاوہ سورۃ الصف اور سورۃ الحدید کی ابتدائی آیت بھی تقریباً ایک جیسی ہے : {سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾}۔اس ابتدائی آیت میں ڈانٹ کا پہلو بھی ہے کہ اگر تم بھی اللہ وحدہٗ لاشریک کی تسبیح کر رہے ہو تو کون سا معرکہ سرانجام دے رہے ہو ؟وہ تو کائنات کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے ! اللہ کو تو تم سے کچھ اور ہی مطلوب ہے جس کا ذکر سورۃ الصف کی آیت ۴ میں ہوا ہے :{اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۴﴾}’’اللہ کو تو وہ لوگ محبوب ہیں جو اُس کی راہ میں جنگ کرتے ہیںصفیں باندھ کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند‘‘۔ بقولِ شاعر ؎

مقامِ بندگی دیگر ‘ مقامِ عاشقی دیگر !
زنوری سجدہ می خواہی ‘ زخاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود رانگہ داری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود زخونِ دوستاں خواہی !

اور اگر کوئی شخص اس کے لیے تیار نہیں تو پھر صرف زبان سے ہماری محبت کے بلند و بانگ دعوے کرنے کا حاصل کچھ نہیںہو گا اور ایسا عمل تو اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا

ہے ۔ اس حوالے سے آیت ۲‘۳ میں فرمایا گیا:
{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲﴾ کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳﴾ }
’’اے اہل ایمان ! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔‘‘
مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے ایک ایک حرف کو حرزِ جان بنائیں۔ شاید کہ اس سے وہ جوش اور ولولہ پیدا ہوجائے جو اللہ کو مطلوب ہے۔

سُورۃُ الجُمُعَۃ

سورۃ الجمعہ کا شمار بھی ’’مُسبِّحَات‘‘میں ہوتا ہے اور اس سورۃ کا آغاز ’’یُسَبِّحُ لِلّٰہِ‘‘ کے الفاظ سے ہورہا ہے جو کہ فعل مضارع ہے۔ عربی میں فعل مضارع میں زمانہ حال بھی پایا جاتا ہے اور زمانہ مستقبل بھی‘ جبکہ سورۃ الصف کا آغاز ’’سَبَّحَ لِلّٰہِ‘‘ کے الفاظ سے ہوا تھا جو کہ فعل ماضی ہے۔ اس طرح سورتوں کے اس جوڑے میں زمانہ کی تکمیل ہو گئی۔
پہلی آیت میں فرمایا:
{یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾ }
’’جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو حقیقی بادشاہ‘ پاک ذات‘ زبردست‘ حکمت والا ہے۔‘‘
آیت ۲ اس سورۃ کی مرکزی آیت ہے جس میں فرمایا گیا:
{ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ۚ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۲﴾ }
’’وہی اللہ ہے جس نے اٹھایا اُمیین میں ایک رسول انہی میں سے جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس (اللہ) کی آیات‘ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے ‘اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘

اس آیت میں دین کو غالب کرنے کا طریقہ کار بتادیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس کام کے لیے مردانِ کار یعنی اللہ کے ایسے وفادار بندے چاہئیں جو اس کام کے لیے اپنا تن من دھن لگا دینے کے لیے تیار ہوں۔ اب اس حزب اللہ کو تیار کرنے کا طریقہ کار اس کتاب مبین کے گرد گھومتا ہے جو آلہ انقلاب ِ محمدیؐ ہے اور اسی کتاب مبین کے ذریعہ یہ تبدیلی برپا ہوگی-- آیت کے ان الفاظ {وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ۚ} کے ساتھ سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۹ کو بھی ذہن میں لائیے جس میں فرمایا گیا:{لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾}۔اس آیت کا ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے : ''اس کے مضامین تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے مگر وہی جو پاک ہو چکے ہوں'' ---- سورۃ الجمعہ کی اس مرکزی آیت میں ''یُزَکِّیۡہِمۡ''(ان کا تزکیہ کرتا ہے)کا لفظ پہلے لایا گیا ہے اور ''یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ''(ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے)بعد میں لایا گیا ہے۔ اس ترتیب سے یہ واضح ہوا کہ باطن کی صفائی اور پاکیزگی پہلے ہے اور کتاب کی تعلیم بعد میں ‘اس لیے کہ علم درحقیقت اسی وقت مفید ہوتا ہے جب دل کی صفائی ہو چکی ہو ۔ اس حوالے سے مولانا روم کا شعر ملاحظہ ہو : ؎

علم را بر دل زنی یارے بود!
علم را بر تن زنی مارے بود

یعنی اگر علم انسان کے دل پر اترتا ہے تو وہ علم انسان کا ساتھی اور رفیق ہے اور اگر علم صرف اوپر اوپر انسان کے تن و توش تک محدود رہے تو پھر وہ سانپ ہے جو آدمی کو ڈستا ہے۔

اس آیت میں تو یہ واضح کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کام بھی کر رہے ہیں وہ قرآن حکیم کے ذریعے کررہے ہیں۔ ساتھ ہی آیت ۵ میں بنی اسرائیل کے حوالے سے یہ بتادیا گیا کہ ہم نے ان کو جو کتاب دی تھی انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا اور اسے بند کر کے رکھ دیا تو ان کی مثال اس گدھے کی سی ہو گئی جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو۔فرمایا:

{مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىۃَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡہَا کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵﴾}

''مثال ان لوگوں کی جو حامل تورات بنائے گئے پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (یعنی اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا) اس گدھے کی سی (مثال) ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ بری ہے مثال اس قوم کی جنہوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس مثال کے ذریعے اہل ایمان کو پیشگی تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ تم لوگ قرآن کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرنا‘

ورنہ تمہارا معاملہ بھی وہی ہو گا جو تم سے پہلے یہود کا ہو چکا ہے۔

سورۃ کے آخر میں نمازِ جمعہ کے حوالے سے حکم آیا ہے۔ فرمایا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ ابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَ اذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰﴾}

''اے ایمان والو! جب تمہیں نماز کے لیے پکارا جائے جمعہ کے دن تو سب کاروبار چھوڑ کر اللہ کی یاد کی طرف لپکو! یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانو۔ پس جب نماز ادا ہو چکے تو رزق کی تلاش میں زمین میں پھیل جائو اور اللہ کا ذکر کثرت سے جاری رکھو تاکہ تم فلاح پائو۔''

درحقیقت جمعہ تعلیم القرآن کا پروگرام ہے جس کو اس اُمت میں ابدی حیثیت دے دی گئی ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اُس روز کوئی نائب ِرسول منبر ِرسولؐ پر بیٹھ کر خصوصی طور پر کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ کا وہی فریضہ سرانجام دے جو درحقیقت محمد ﷺ کا بنیادی کام اور انقلاب ِنبوی کی جڑ اور بنیاد ہی نہیں' بلکہ مرکز و محور بھی ہے۔

سُورۃُ المُنافقُون

مدنی سورتوں کے سب سے بڑے گلدستے (سورۃ الحدید تا سورۃ التحریم) کی آخری چھ سورتیں دو دو کے جوڑے میں ہیں ۔ان میں سے ایک جوڑے سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کے مطالعہ کے بعد اب سورۃ المنافقون اور سورۃ التغابن پر مشتمل دوسرے جوڑے

کا آغاز ہو رہا ہے۔ سورۃ التغابن میں ایمانیات کی بحث ہے لیکن اس سے پہلے سورۃ المنافقون کو لایا گیا ہے جس میں نفاق کے مرض اور اس کے علاج کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا:

{اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱﴾}

''(اے محمد ﷺ!) یہ منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ

اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تو خوب جانتا ہے کہ آپؐ اُس کے رسول ہیں ‘لیکن اللہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔‘‘

اس سے پہلے مدنی سورتوں مثلاً سورۃ النساء اور سورۃ التوبہ میں نفاق کا مضمون بڑی تفصیل سے آچکا ہے‘ لیکن جیسا کہ پہلے ذکر ہوا تھا کہ یہ دس مدنی سورتیں مختلف مضامین کے خلاصے پر مشتمل ہیں۔ تو گیارہ آیات پر مشتمل سورۃ المنافقون میں ’’نفاق‘‘ کا خلاصہ بیان ہوا ہے۔

آیت ۲‘۳ میں بیان کیا گیا ہے کہ نفاق کا مرض اصل میں ہے کیا۔ چنانچہ فرمایا:

{اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَہُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط اِنَّہُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿ ۲ ﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ فَہُمْ لَا یَفْقَہُوْنَ ﴿ ۳ ﴾ }

’’انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے پس وہ اللہ کے راستے سے رک گئے ہیں۔ اور یہ بہت ہی برا عمل ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے کہ پہلے وہ ایمان لائے‘ پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ‘سو اب وہ سمجھ رکھنے والے نہیں۔‘‘

اس آیت میں جو ان کے کفر کا ذکر ہے اس سے مراد قانونی کفر نہیں ہے ‘اس لیے اگر قانونی کفر ہوتا تو یہ مرتد قرار پاتے بلکہ یہاں مراد حقیقی کفر ہے جو ان کے باطن میں راسخ ہے اور یہ حقیقی اعتبار سے کافر ہو چکے ہیں۔

آیت ۶ میں منافقین کے حسرت ناک انجام اور محرومی کا نقشہ کھینچا گیا جو ان کا مقدر ہے۔ فرمایا: {سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَہُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ ط لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَہُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿ ۶ ﴾} ’’(اے محمد ﷺ !) ان کے لیے برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ یقیناً اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا‘‘۔ گویا آپ ﷺ کا استغفار بھی ان بدبختوں کے حق میں مفید نہیں ہے۔ اس حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیت ۸۰ ذہن میں لائیے جو اس موضوع کے اعتبار سے سخت ترین آیت ہے‘ جس میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا: {اِسْتَغْفِرْ لَہُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَہُمْ ط} ’’(اے نبی ﷺ !) خواہ آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (ان کے حق میں برابر ہے)۔ اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔‘‘

آیات ۹ تا ۱۱ میں نفاق سے بچنے کا علاج بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر وہ ٹانک ہے جو نفاق جیسے مرض سے بچانے والا ہے۔ یادِ الٰہی قلب و ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اور اگر اس کی کوئی چھوت لگ گئی ہو تو اس کے ازالہ کا علاج ہے ’’انفاق‘‘ یعنی جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ موت تمہارے سرہانے آکھڑی ہو۔ چنانچہ آخری تین آیات میں ارشاد ہوا:

{یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱﴾}

''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے' اور جو ایسا کریں گے تو وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو

(اس وقت) کہنے لگے: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہوجاتا۔ اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

سُورۃُ التَّغَابُن

جیسا کہ ماقبل ذکر ہوچکا کہ سورۃ التغابن میں ایمانیات کی بحث ہے۔ ایمانیات اگرچہ مکی سورتوں کا موضوع ہے اور مکی سورتیں بہت طویل سورتیں ہیں لیکن ایمانیات کا خلاصہ ان طویل مکی سورتوں سے نکال کر اٹھارہ آیات پر مشتمل سورۃ التغابن میں بیان کردیا گیا ہے۔

سورۃ التغابن کی ابتدائی چار آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ الحدید کی پہلی چھ آیات سے مشابہ ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الحدید کے مطالعہ کے دوران میں نے یہ بیان کیا تھا کہ سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات میرے اندازے (assesment) کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ کے موضوع پر قرآن مجید کی چوٹی کی آیات ہیں' اسی طرح زیر مطالعہ سورۃ التغابن کی ابتدائی چار آیات بھی اس موضوع کے اعتبار سے ان چھ آیات کے قریب تر ہیں۔ ان آیات میں فرمایا گیا:

{یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَهُ الۡمُلۡکُ وَ لَهُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾}

''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ کل کائنات کی) بادشاہی بھی اُسی کی ہے اور کل شکر و سپاس اور تعریف وثنا کا مستحق حقیقی بھی صرف وہی ہے۔ مزید برآں وہ ہر چیز پر

قادر ہے۔ وہی ہے جس نے تم سب کو تخلیق فرمایا ' لیکن تم میں سے کچھ (اس کا) انکار کرنے والے ہیں اور کچھ (اس کو) ماننے والے ہیں' اور جو کچھ تم (اس دنیا میں) کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تمہاری نقشہ کشی کی اور تمہاری بہت ہی اچھی نقشہ کشی (اور صورت گری) فرمائی' اور (تمہیں) اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میںہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ' اور اللہ سینوں میں پوشیدہ رازوں کا بھی جاننے والا ہے۔''

ایمان باللہ اور توحید کے ذکر کے بعد آیت ٦ میں رسالت اور رسالت کے ضمن میں نوعِ انسانی کو جو سب سے بڑی ٹھوکر لگتی ہے' اس کا ذکر ہوا ہے ۔ اس دنیا میں جو بھی پیغمبر آئے تو ان کی قوم کی طرف سے ان کو جھٹلایا گیا' ان کی بات نہیں مانی گئی اور بہت سوں کو ہلاک بھی کر دیا گیا ۔ایسا کیوں ہوا؟اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی :

{ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا وَّ اسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۶﴾}

''یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح اور روشن تعلیمات کے ساتھ آتے رہے تو انہوں نے کہا کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟پس انہوں نے کفر کیا اورپیٹھ موڑ لی تو اللہ نے بھی استغناء اختیار فرمایا' اور اللہ تو ہے ہی غنی اور (اپنی ذات میں از خود) محمود۔ ''

اس حوالے سے سورۃ الفرقان میں ہم کفار کا یہ قول پڑھ آئے ہیں :{وَ قَالُوۡا مَالِ ہٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ} (آیت ۷)''یہ کیسا پیغمبر ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے !'' لہٰذا رسولوں کی بشریت اس دَور کے لوگوں کے لیے ان کو رسول ماننے کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ دوسری جانب جنہوں نے ان کو اللہ کا رسول مان لیا ان میں سے بھی کچھ لوگوں نے بعد میں ان کو بشریت سے نکال کر الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا ۔ اس لحاظ سے یہ ایک ہی مرض کی دو صورتیں ہیں۔ یعنی پہلے لوگوں نے کہا کہ بشر رسول کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ بعد کے لوگوں نے کہا کہ رسول

بشر کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کے بعد آیت ۷ میں خاص طور پر قیامت کا ذکر بڑے زوردار انداز میں ہوا ہے۔ اس آیت میں اس کے انکار کی

پرزور نفی اور اس کے وقوع کا نہایت تاکیدی اثبات فرمایا گیا ہے:
{زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۷﴾}
''کافروں کو مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ یہ (موت کے بعد) اٹھائے نہ جائیں گے۔ (اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں! اور میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے' پھر تمہیں جتلا دیا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔ اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔''
بعد ازاں آیت ۸ میں تینوں ایمانیات کا ذکر کر کے بڑے پیارے انداز میں ایمان کی دعوت دی گئی ہے۔ اس حوالے سے فرمایا:
{فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۸﴾}
''تو ایمان لاؤ اللہ پر' اور اس کے رسولؐ پر' اور اُس نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔''
سورۃ کے دوسرے رکوع میں ایمان کے پانچ بنیادی لوازم بیان ہوئے ہیں اور ہمارے حوالے سے یہ بڑا اہم موضوع ہے۔ اس کی بنیاد پر ہم اپنا جائزہ لے سکتے ہیں کہ ہمارے اندر بھی ایمان کی کوئی رمق ہے یا نہیں؟ پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ دنیا میں ہم پر اگر کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ اللہ کے اذن کے بغیر نہیں آتی۔ جس کو اللہ پر ایمان ہوتا ہے اس کے دل کو اطمینان اور سکون رہتا ہے' وہ پریشان نہیں ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ بلکہ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ میرے رب نے کیا ہے میں اُس پر راضی ہوں۔ چنانچہ فرمایا: {مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾}''نہیں نازل ہوتی کوئی مصیبت مگر اللہ کی اجازت سے۔ اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا

علم رکھنے والا ہے''۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تم اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہو تو پھر ان کی اطاعت بھی کرنی ہو گی۔ اگر اطاعت نہیں کرتے تو اِس کا مطلب ہے کہ تم حقیقتاً مانتے نہیں ہو اور جھوٹا دعویٰ کرتے ہو۔ فرمایا: {وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ احۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۲﴾}''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اس کے) رسول (ﷺ) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان رکھو کہ) ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے''۔ تیسری بات یہ ہے کہ اہل ایمان کو اللہ کی ذات پر توکل رکھنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: {اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾} ''اللہ وہ ہستی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' پس اہل ایمان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''
چوتھی اور پانچویں چیز یہ ہے کہ دنیا میں انسان کے دل میں جن چیزوں کی محبت در آتی ہے وہ بڑے

خطرے کے نشان(red signals) ہیں۔ یہ محبتیں مثلاً بیوی‘ اولاد اور مال کی محبت اگر حداعتدال سے ذرا تجاوز کریں گی تو وہ فتنہ بن جائیں گی اور عاقبت برباد کر دیں گی۔ اس لیے کہ انہی کی خاطر انسان دنیا میں جھوٹ بولتا ہے‘ رشوت لیتا اور دیتا ہے‘ حرام خوریاں کرتا ہے ‘ لہٰذا ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں یہ بات ہمیشہ مستحضر رہے کہ یہ تو صرف آزمائش اور کسوٹی ہے کہ جس میں تمہیں کسا جا رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْہُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ؕ وَ اللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾}

’’اے اہل ایمان ! یقیناً تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں‘ پس ان سے بچ کر رہو‘ اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لو اور بخش دیا کرو تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے حق میں) فتنہ ہیں‘ اور اللہ ہی ہے جس

کے پاس بڑا اجر ہے۔‘‘

اس کے بعد آخری تین آیات میں ایمان کے مندرجہ بالا پانچ بنیادی تقاضوں کو بالفعل ادا کرنے کی تاکیدی دعوت ہے۔ فرمایا:

{فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾}

’’اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا بھی تمہارے بس میں ہے‘ اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں جتنا خرچ کر سکتے ہو‘ اس لیے کہ) یہی تمہارے لیے بہتر ہے ۔اور جو جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔‘‘

سُورۃُ الطَّلَاق

اب یہاں سے زیر مطالعہ مدنی گلدستے کا آخری جوڑا شروع ہو رہا ہے جو سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سورتوں میں عائلی زندگی کی دو انتہائوں سے بحث کی گئی ہے۔ عائلی زندگی کی ایک انتہا یہ ہے کہ جب میاں بیوی کے مابین موافقت نہ ہو اور علیحدگی تک نوبت پہنچ جائے۔ یہ موضوع سورۃ الطلاق میں بیان ہوا ہے ‘جبکہ دوسری انتہا یہ ہے کہ میاں بیوی کے مابین محبت اتنی گہری ہوجائے کہ اس کے سبب اللہ کے احکام

توڑے جائیں۔ اس حوالہ سے سورۃ التحریم میںبات ہوئی ہے۔ اس طرح ان دونوں سورتوں کی حیثیت ایک جوڑے لی ہے۔ سورۃ الطلاق کا بنیادی موضوع طلاق اور اس کے متعلقات ہیں۔ اس حوالے سے پہلی آیت میں فرمایا گیا :

{یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾}

''اے پیغمبرؐ (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ اور اللہ سے ڈرو جو

تمہارا پروردگار ہے۔ نہ تو تم ہی ان کو (ایامِ عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں' سوائے اس کے کہ وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں' اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ (اے طلاق دینے والے!) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) راہ پیدا کر دے۔''

طلاق کے ضمن میں آیت ۲ اور ۳ میں یہ بتا دیا گیا کہ اگر انسان اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس معاملے میں بھی کوئی راہ نکال دے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا :

{فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾}

''پھر جب وہ اپنی میعاد (یعنی انقضائے عدت) کے قریب پہنچ جائیں پھر یا تو ان کو اچھی طرح سے (زوجیت میں) رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کر لو اور (اے گواہو) اللہ کے لیے درست گواہی دینا۔ ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا وہ اُس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔ اور اُس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو (اللہ) اس کے لیے کافی ہے۔ یقینا اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے۔ یقینا اللہ نے ہر شے کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

آیت ۴ میں عدت کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے فرمایا:

{وَ الّٰٓـِٔیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡہُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَہُنَّ ؕ وَ مَنۡ

یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا ﴿۴﴾}

''اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے)۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔ اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔''

اس کے بعد آیت ٦ میں مطلقہ عورت کو عدت کے دوران نفقہ اور مرضعہ کو اجرت دینے کا حکم دیا گیا ہے' چنانچہ فرمایا:

{اَسۡکِنُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ وَ لَا تُضَآرُّوۡہُنَّ لِتُضَیِّقُوۡا عَلَیۡہِنَّ ؕ وَ اِنۡ کُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَیۡہِنَّ حَتّٰی یَضَعۡنَ حَمۡلَہُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَکُمۡ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ ۚ وَ اۡتَمِرُوۡا بَیۡنَکُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَ اِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَہٗۤ اُخۡرٰی ؕ ﴿۶﴾}

''(مطلقہ) عورتوں کو (ایامِ عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔ اور اگر حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ دیتے رہو۔ پھر اگر وہ بچے کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو' اور اگر باہم ضد (اور نااتفاقی) کرو گے تو (بچے کو) اس کے (باپ کے) کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔''

اس کے بعد آیت ١٠ اور ١١ میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن اور بعثت محمدی ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

{قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکُمۡ ذِکۡرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزۡقًا ﴿۱۱﴾}

''(اے اہل ایمان!) اللہ نے تمہارے لیے یہ ''الذکر'' نازل کر دیا ہے۔ (اور اپنا) پیغمبر ﷺ (بھی بھیجا ہے) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح المطالب آیتیں پڑھتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ اور جو شخص ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کو باغ ہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' ہمیشہ ہمیش ان میں رہیں گے۔ یقینا اللہ نے ان کو خوب رزق دیا ہے۔''

سُورۃُ التَّحرِیم

اس جوڑے کی دوسری سورۃ ''التحریم'' ہے۔ جیسے ماقبل بیان ہو اکہ اس سورۃ میں میاں بیوی کے حوالے سے دوسری انتہا کا ذکر ہے جب زوجین میں ایسی محبت پیدا ہوجائے کہ احکاماتِ الٰہیہ ٹوٹنے لگیں۔ سورۃ التحریم کی پہلی آیت ملاحظہ ہو:

{یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱﴾}

''اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اس کا (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ) کوئی امکان نہیں تھا کہ اللہ کی حرام کردہ کسی چیز کو حلال کر لیں، البتہ یہ ضرور تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنھن) کی رضاجوئی کے لیے ایک حلال چیز پر قسم کھا لی تھی کہ آئندہ میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ اس پر تھوڑی گرفت ہو گئی کہ ایسا کیوں کیا گیا؟

اس کے بعد آیات ۳ تا ۵ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے اپنی کسی زوجہ رضی اللہ عنہا سے کوئی راز کی بات کہی۔ ان زوجہ سے غلطی ہوئی اور انہوں نے کسی دوسری زوجہ کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس افشائے راز کی خبر دے دی۔ آپؐ نے شکوہ اور شکایت میں بھی التفات اور ملائمت کے پہلو کو پیش نظر رکھا تاکہ ان زوجہ محترمہ کو انتباہ ہو جائے۔ چنانچہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

{وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۳﴾}

''اور جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک بات اپنی بیوی سے راز میں کہی تھی، پھر جب اُس بیوی نے وہ راز (کسی اور پر) ظاہر کر دیا، اور اللہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا: آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا ''مجھے اُس نے خبر دی جو

سب کچھ جانتا اور خوب باخبر ہے۔‘‘

آیت ٦ میں اہل ِایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے اہل و عیال کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کریں۔ اس ضمن میں عائلی زندگی کے حوالے سے یہ نکتہ نوٹ کر لیں کہ اولاد اور بیویوں سے محبت اپنی جگہ ایک حد تک مطلوب ہے لیکن اگر اس حد سے آگے بڑھو گے تو پھر یہ ایک فتنہ ہے۔ چنانچہ آیت ٦ میں فرمایا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّ قُوۡدُہَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ عَلَیۡہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ﴿ ٦ ﴾}

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے ‘جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر‘ اور جس پر بہت تند خو اور سخت دل فرشتے مامور ہیں جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں ایک مسلمان خاندان کے سربراہ کی ذمہ داری مثبت انداز میں امر کے صیغے

میں بیان کی گئی ہے کہ سربراہ کی ذمہ داری اپنی بیوی بچوں کو صرف نان ونفقہ فراہم کرنے کی نہیں ہے بلکہ ان کو جہنم کی آگ سے بچانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

آیت ٨ میں فرمایا گیا کہ اگر ابھی تک کوئی کوتاہی ہوتی رہی ہے‘ کسی غلط راستہ پر چلتے رہے ہو تو اللہ کی جناب میں خلوص کے ساتھ توبہ کرو ۔یعنی دھوکہ بازی اور دکھاوے کی توبہ نہ ہو کہ توبہ بھی ہو رہی ہو اور کام بھی سارے وہی غلط ہو رہے ہوں۔ اگر اخلاص کے ساتھ اور اس عہد کے ساتھ توبہ کرو گے کہ آئندہ ہم غلط حرکتوں کا ارتکاب نہیں کریں گے تو اللہ تمہاری برائیوں کو دور فرما دے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ تَوۡبَۃً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یُدۡخِلَکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ ۚ نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿ ٨ ﴾}

’’اے اہل ِایمان! توبہ کرو اللہ کی جناب میں خالص توبہ ۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیوں کو دور کر دے گا اور تمہیں ان باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ اس روز اللہ اپنے نبی(ﷺ) اور ان کے اہل ِایمان ساتھیوں کو رسوا نہ کرے گا ۔ ان کا نور ان کے دائیں جانب اور سامنے کی جانب دوڑتا ہو گا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اس نور کو پورا فرما دے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما ‘یقینا تو ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

بعد ازاں آیت ١٠ تا ١٢ میں خواتین کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ دین میں اپنے شوہروں

کے تابع ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عائلی زندگی میں شوہر گھر کا نگران ہے اور بیوی کو اس کا فرمانبردار ہونا چاہیے' لیکن اللہ کے ہاں اس کو شوہر کی کسی نیکی کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا' بلکہ اس کے کام اس کی اپنی نیکی ہی آئے گی۔ چنانچہ اس حوالے سے چند مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی مثال بہترین شوہروں کے گھروں میں بدترین بیویوں کی ہیں کہ حضرات نوح و لوط علیہما السلام (جو اللہ کے رسول ہیں) کی بیویوں کے بارے میں بتایا گیا

180

کہ وہ جہنمی ہیں۔ دوسری مثال بدترین شوہر کے عقد میں ایک بہترین و پاکیزہ خاتون کی ہے کہ فرعون (جو اللہ اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا) کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ایک جنتی خاتون ہیں۔ پھر حضرت مریم کی مثال دی گئی جو خود بھی نیک سیرت تھیں اور ان کی تربیت اللہ کے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کی گود میں ہوئی ۔ یہ مثال ہے "نورٌ علیٰ نُور" کی ۔ یہ تو تین ممکنہ صورتیں ہو گئیں 'جبکہ ایک چوتھی صورت بھی ہے کہ شوہر بھی بدترین اور بیوی بھی بدترین۔ اس کی مثال سورۃ اللّھب میں بیان ہوئی ہے کہ ابو لہب اور اُس کی بیوی اُمّ جمیل نبی اکرم ﷺ سے قرابت کے باوجود دونوں آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ یہ مثال ہے "ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کی ۔

* * *

181

ساتواں گروپ

المُلک ... تا ... النّاس

سُورَۃُ المُلک

سورۃ التحریم مکی مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی آخری سورت تھی۔ اب سورۃ الملک سے ساتویں گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس آخری گروپ میں سورۃ الملک سے لے کر پورے دو پارے تقریباً مکیات پر مشتمل ہیں' آخر میں صرف دو سورتیں ''معوذتین'' مدنی ہیں۔ گویا یہاں پہلے گروپ کے مقابلے میں نسبت بالکل عکسی ہے' جہاں مکی سورت صرف ایک یعنی سورۃ الفاتحہ ہے اور مدنی سورتیں چار ہیں یعنی سورۃ البقرۃ' آلِ عمران' النساء اور المائدۃ۔

انتیسویں (۲۹) پارے میں کل گیارہ سورتیں ہیں جو تمام کی تمام مکی ہیں اور یہ تمام سورتیں دو دو رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ ان سورتوں کے مضامین کا بھی تقریباً وہی انداز ہے جو اس سے پہلے والی مکی سورتوں (سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ) کا ہے 'یعنی قیامت 'جزاء و سزا اور جنت و دوزخ کا تذکرہ۔ یوں سمجھئے کہ انذار و تبشیر جو نبوت ورسالت کا اصل مقصد ہے' اس میں جو انذار کا پہلو ہے وہ ان تمام سورتوں میں غالب ہے۔ اس کے علاوہ ان سورتوں میں بعض مقامات پر فلسفہ و حکمت قرآن کے اعتبار سے بہت اہم آیات آئی ہیں جن پر خصوصی توجہ درکار ہے۔

ان سورتوں میں سے پہلی سورۃ ''الملک'' ہے۔ اس سورۃ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی بڑے پرجلال انداز میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا:

{تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُۙ ۝ ۲

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰي فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰي مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ ۴ }

''بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ہے اصل بادشاہی اور اختیار' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ جانچ لے کہ کون تم میں نیک اعمال کرتا ہے۔ اور وہ زبردست' بخشنے والا ہے۔ اُسی نے سات آسمان بنائے ہیں ایک دوسرے پر تہ در تہ۔ (اے دیکھنے والے) کیا تم رحمن کی تخلیق میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ ذرا اپنی نگاہ دوڑائو کیا تمہیں (آسمان میں) کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) اپنی نگاہ کو دوڑا لو' تو (ہر بار) تمہاری نگاہ ناکام اور تھک ہار کر واپس آجائے گی۔''

آیت ۶ سے ۱۱ تک کفار اور ان کے انجامِ بد کا تذکرہ ہے اور اس ضمن میں جہنم کے داروغہ اور کفار کے درمیان ہونے والے ایک مکالمہ کا بھی بیان ہے۔ داروغہ کفار سے پوچھے گا: {اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ ۸ }''کیا

تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟'' وہ کہیں گے: {بَلٰی قَدۡ جَآءَنَا نَذِیۡرٌ فَکَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ ﴿ ۹ ﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿ ۱۰ ﴾} ''کیوں نہیں' ضرور ہدایت کرنے والا آیا تھا' لیکن ہم نے اس کو جھٹلایا اور (اس سے) کہا کہ اللہ نے تو کچھ نازل نہیں کیا' تم تو بڑی گمراہی میں ہو۔ اور (کفار یہ بھی) کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔''

آیات ۱۳' ۱۴ میں اللہ ربّ العزت کے علم کے حوالے سے یہ عمدہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ''بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ'' بھی ہے اور ''عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ'' بھی' یعنی اللہ دل کے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ فرمایا:

{وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿ ۱۳ ﴾ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿ ۱۴ ﴾}

''اور تم پوشیدہ بات کرو یا ظاہر۔ وہ (اللہ) تو دل کے خیالات تک سے واقف

ہے۔ بھلا جس نے پیدا کیا' کیا وہی نہیں جانے گا؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور باخبر ہے۔''

دوسرے رکوع میں ایک آیت فلسفہ اور حکمت قرآنی کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ فرمایا: {اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ اَہۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿ ۲۲ ﴾} ''بھلا وہ شخص جو منہ کے بل گھسٹتا ہوا چل رہا ہے وہ سیدھے راستے پر ہے یا وہ جو سیدھا (سر اٹھائے) سیدھے راستے پر چلا جا رہا ہے''۔ اس آیت میں گویا ایک تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ ایک شخص اپنے راستے پر سیدھا چل رہا ہے اور اس کی نگاہ اس منزل پر جمی ہوئی ہے جہاں اُس کو پہنچنا ہے۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو آخرت کے ماننے والے ہیں اور جو یہ جانتے ہیں کہ ان کا اصل گھر اور منزل آخرت ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ آخرت اور اُخروی زندگی کے منکر ہیں ان کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا ہے اور منہ کے بل گھسٹ رہا ہے۔ ایسا شخص تو صرف حیوانی جبلتوں کی بنا پر زندہ ہے ورنہ حقیقت میں اس شخص کی زندگی کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی نصب العین۔ *

سُورَۃُ الۡقَلَم

انتیسویں پارے کی دوسری سورۃ ''القلم'' ہے جس کی ابتدائی سات آیات کے بارے میں بہت سے محققین کی رائے یہ ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات (پہلی وحی) کے بعد نازل ہونے والی یہ آیات حضرت محمد

رسول اللہ ﷺ پر دوسری وحی کے طور پر نازل ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جب پہلی وحی کا تذکرہ لوگوں سے کیا تو ان کو بہت عجیب لگا۔ اس لیے کہ اہل مکہ کے لیے نبوت و رسالت ایک بھولی بسری شے تھی۔ چنانچہ

---

* اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں دو دو آیات ایک جیسے الفاظ سے شروع ہو رہی ہیں' مثلاً آیت ١٦' ''ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ'' سے اور آیت ١٧ 'اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ'' سے۔ اسی طرح آیت ٢٣ اور ٢٤ کی ابتدا ''قُلۡ ھُوَ الَّذِیۡ'' سے اور آیت ٢٨ اور ٣٠ کی ابتدا ''قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ'' سے ہو رہی ہے۔ (مرتب)

عام طور پر یہ چرچا ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اس شخص کے دماغ میں کوئی خلل یا فتور واقع ہو گیا ہے۔ اسی بنا پر لوگوں نے آپ کو مجنوں اور سحر زدہ کہا جس سے حضور ﷺ کو رنج اور صدمہ ہوا۔ اسی حوالے سے آپؐ کی دلجوئی کے لیے یہ سات آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا:{نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾} ''ن۔ قلم کی اور جو(اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم ! آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ''۔نہ آپؐ سحر زدہ ہیں اور نہ ہی آپؐ کو خلل دماغی کا کوئی عارضہ لاحق ہوا ہے۔ یہ گویا آپ ﷺ کی دلجوئی کی جا رہی ہے ۔ آیت ٣ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا:{وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾}''اور آپ کے لیے تو یقینا بڑا اجر ہے''۔ایسا اجر جو کبھی منقطع نہ ہو گا یعنی آپ ﷺ کو جنت کے سب سے بلند درجے کی خوشخبری دی جا رہی ہے اور یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اس قت آپ کو جتنی اذیت ناک باتیں سننی پڑ رہی ہیں اتنے ہی آپؐ کے درجات بلند ہوتے جا رہے ہیں ۔

آیت ۴ میں فرمایا:{وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۴﴾}''اور آپؐ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں''۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی مجنون اور سحر زدہ شخص اتنے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق کا حامل نہیں ہو سکتا ۔یعنی آپؐ کا اعلیٰ اخلاق کا حامل ہونا عملاً آپ ؐ کے مجنون اور سحر زدہ ہونے کی نفی ہے۔ آیت ٥'٦ میں فرمایا:{فَسَتُبۡصِرُ وَیُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَیِّیۡکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾}''عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ کافر بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کا دماغ پھر گیا ہے''۔یعنی عنقریب اس سے پردہ اٹھ جائے گا کہ کہنے والے کا دماغ پھر گیا ہے یا (معاذاللہ) محمد ﷺ کا۔آیت ٧ میں فیصلہ کن انداز میں فرمایا جا رہا ہے:{اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۪ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۷﴾} ''تمہارا ربّ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور ان کو بھی جو راہِ ہدایت پر ہیں۔''

آیات ۱۷ تا ۳۳ میں ''اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ'' یعنی باغ والوں کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند بھائیوں کو باپ کی وراثت سے پھلوں کا ایک باغ ملا۔ گھر

کا سارا خرچہ اسی باغ کی آمدنی سے پورا ہوتا تھا۔ باپ کی یہ عادت تھی کہ جس دن باغ کا پھل توڑا جاتا تھا تو اس دن شہر بھر کے فقیروں کو بلایا جاتا اور انہیں کچھ نہ کچھ دے دیا جاتا تھا۔ باپ کے بعد بیٹوں نے فقیروں کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ کیا اور یہ منصوبہ بنایا کہ کل علی الصبح پھل توڑ لیں گے اور جب فقیر آئیں گے تو باغ کو خالی پائیں گے اور خالی ہاتھ لوٹ جائیں گے۔ اپنے اس منصوبے اور تدبیر پر انہیں اتنا یقین تھا کہ انہوں نے ''ان شاء اللہ'' بھی نہیں کہا۔ آخر رات کو اللہ کا عذاب آیا اور سارا باغ ملیا میٹ ہو گیا۔ پھر انہوں نے اپنے کیے ہوئے پر افسوس کرتے ہوئے کہا: { سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ ... قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا طٰغِیۡنَ ﴿۳۱﴾ }''پاک ہے ہمارا پروردگار، ہم تو خود ہی ظالم ہیں ... ہم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہیں''۔ آخر میں فرمایا: {کَذٰلِکَ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ }''یوں ہی آتی ہے آفت۔ اور آخرت کی آفت تو بہت بڑی (اور خطرناک) ہے۔ کاش ان (کفار) کو سمجھ ہوتی!''

دوسرے رکوع میں قیامت کے سلسلہ میں عجیب انداز میں ایک دلیل آئی ہے۔ فرمایا گیا:

{اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ }

''کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو سرکشوں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسی باتیں کرتے ہو؟''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت اور حساب کتاب کا دن برحق ہے۔ اگر آخرت نہ ہو تو پھر تو سب برابر ہی رہیں گے، بلکہ سرکش زیادہ فائدے میں رہیں گے کہ وہ تو اس دنیا میں بھی خوب عیش کرتے رہے اور گلچھرے اڑاتے رہے۔ اور نیکوکار جو پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے، صحیح وغلط اور جائز و ناجائز کی تمیز کرتے رہے، وہ تو گھاٹے میں رہ جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ اندھیر نگری چوپٹ راج۔ جبکہ اللہ کی لاٹھی اندھے کی لاٹھی نہیں ہے بلکہ وہاں اعمال کے حساب سے فیصلہ ہو گا بایں طور کہ سرکش جہنم کی آگ میں اور فرمانبردار نعمت کے باغات میں ہوں گے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان منکرین کی جانب توجہ مبذول نہ کریں بلکہ اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہیں، ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ فرمایا:

{فَذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ یُّکَذِّبُ بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۴۵﴾ }

''(اے نبی ﷺ!) مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجیے۔ ہم ان کو (عذاب میں جھونکنے کے لیے) آہستہ آہستہ ایسے لے آئیں گے کہ ان کو گمان تک نہ ہو گا۔ اور ابھی میں ان کی رسی دراز کیے ہوئے ہوں' جبکہ میری چال بڑی مضبوط ہے۔''

آیت ۴۸ میں حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دے کر آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی جارہی ہے کہ ان کی طرح جلدی مت کیجیے۔ فرمایا:{فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تَکُنۡ کَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰی وَ ہُوَ مَکۡظُوۡمٌ ﴿۴۸﴾} ''اپنے ربّ کے فیصلے کا انتظار کیجیے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہونا۔ جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور وہ غم سے گھٹ رہا تھا۔''

آیت ۵۱ میں ایک بہت عجیب بات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

{وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِہِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۱﴾}

''اور کافر جب یہ نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ یہ آپؐ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ تو دیوانہ ہے۔''

آج کل بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کچھ نفسیاتی ریاضتوں اور مشقتوں کے ذریعہ اپنی نگاہوں کے اندر قوت ارادی پیدا کر کے کسی کی قوتِ ارادی کو مسخر کرنا جانتے ہوں۔ یہ ایک فن ہے اور اس آیت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دائو بھی نبی اکرم ﷺ پر آزمایا گیا تھا۔

سُوۡرَۃُ الۡحَآقَّۃ

اس سورۃ کی ابتدائی ۱۲ آیات میں سابقہ اقوام میں سے قوم ثمود' قوم عاد اور فرعون کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ ان اقوام نے کفر کی روش اختیار کی تو انہیں اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب نے تہس نہس کر دیا۔ آگے آیات ۱۳ تا ۱۸ میں قیامت کا مرحلہ وار تذکرہ ہے اور اس کے بعد آیات ۱۹ تا ۳۷ میں جنت اور جہنم والوں کے معیار (یعنی اس دن جنتی اور جہنمی کا فیصلہ کیسے ہو گا) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

{فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ ۙ فَیَقُوۡلُ ہَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا کِتٰبِیَہۡ ﴿۱۹﴾ اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَہۡ ﴿۲۰﴾ فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ﴿۲۱﴾ فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوۡفُہَا دَانِیَۃٌ ﴿۲۳﴾ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا ہَنِیۡٓـًٔۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَۃِ ﴿۲۴﴾ وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ

فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ }

''اُس دن جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا' وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجیے میرا نامہ اعمال پڑھیے۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب کتاب ضرور ملے گا۔ پس وہ شخص من پسند عیش میں ہو گا۔ (یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں' جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا' اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش موت (ابد الآباد کے لیے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔ (حکم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو' پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو۔''

اس سورۃ کا دوسرا رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ بظاہر اس میں حضور ﷺ سے خطاب کر کے کچھ باتیں کہی گئی ہیں' لیکن دراصل یہ منکرین اور معترضین کو جوابات دیے گئے ہیں۔ فرمایا:

{فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ }

''میں قسم کھاتا ہوں اس کی بھی جو تم دیکھتے ہو اور اس کی بھی جو تم نہیں دیکھتے (یعنی عالم غیب کی اشیائ) کہ یہ قرآن تو دراصل ایک عالی مقام فرشتے (جبرائیل) کا پہنچایا ہوا ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا کہا ہوا نہیں ہے۔ یقیناکم ہی ہیں جو تم میں سے ایمان لاتے ہیں ۔اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کہا ہوا ہے۔ یقینا کم ہی ہیں جو تم میں سے نصیحت اخذ کرتے ہیں۔ اس کا نزول تو اس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ۔ اور اگر یہ (محمد ﷺ) اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر ہماری جانب منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ہمیں (ایسا کرنے سے) روک سکتا۔ اور یہ (قرآن) تو دراصل یاد دہانی ہے اہل تقویٰ کے لیے۔ اور ہم جانتے ہیں ان کو جو تم میں سے اس کو جھٹلا رہے ہیں۔ اور یہ قرآن قیامت کے دن کفار کے حق میں حسرت بن کر آئے گا۔ (یہی بات حضور اکرم ﷺ نے بایں الفاظ فرمائی ہے: اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَکَ اَوْ

عَلَیۡکَ کہ یہ قرآن یا تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف)۔ اور یہ حق ہے کہ اس پر پورا یقین کیا جائے ۔پس تسبیح کرو اپنے رب کی جو بڑی عظمت والا ہے۔''

سُورَۃُ الۡمَعَارِج

سورۃ المعارج کی پہلی آیت میں عذاب کے واقع ہونے کے بارے میں کسی پوچھنے والے کے سوال کا ذکر ہے اور اگلی آیات میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ فرمایا:

{سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾}

''ایک عذاب طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو واقع ہو کر رہے گا کافروں پر اور اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہو گا۔ (اور یہ عذاب) اللہ صاحب درجات کی طرف سے ہو گا۔''

آیات ۱۱ تا ۱۸ میں قیامت کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا صلہ ملے گا' نیک لوگوں کو جنت کے باغات کی صورت میں اور سرکش لوگوں کو جہنم کی آگ کی صورت میں۔ فرمایا:

{...وَ لَا یَسۡـَٔلُ حَمِیۡمٌ حَمِیۡمًا ﴿ۖ۱۰﴾ یُّبَصَّرُوۡنَہُمۡ ؕ یَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ یَفۡتَدِیۡ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِئِذٍۭ بِبَنِیۡہِ ﴿ۙ۱۱﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ اَخِیۡہِ ﴿ۙ۱۲﴾ وَ فَصِیۡلَتِہِ الَّتِیۡ تُـٔۡوِیۡہِ ﴿ۙ۱۳﴾ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۙ ثُمَّ یُنۡجِیۡہِ ﴿ۙ۱۴﴾ کَلَّا ؕ اِنَّہَا لَظٰی ﴿ۙ۱۵﴾ نَزَّاعَۃً لِّلشَّوٰی ﴿ۚ۱۶﴾ تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ وَ تَوَلّٰی ﴿ۙ۱۷﴾ وَ جَمَعَ فَاَوۡعٰی ﴿۱۸﴾}

''...اور کوئی دوست کسی دوست کا پُرسانِ حال نہ ہو گا' (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے' اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی' اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا' اور جتنے آدمی زمین میں ہیں سب کو فدیے میں دے دے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہو گا ۔وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے 'کھال ادھیڑ ڈالنے والی ۔ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دین حق سے) اعراض کیا اور منہ پھیر لیا ۔اور (مال) جمع کیا اور بند کر رکھا۔''

آیات ۱۹ تا ۲۱ میں انسان کی ایک فطرتی خصلت کا ذکر بڑے پیارے انداز میں کیا گیا ہے کہ انسان کم حوصلے والا ہے۔ فرمایا:

{اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ ہَلُوۡعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ﴿۲۰﴾ وَّ اِذَا مَسَّہُ الۡخَیۡرُ مَنُوۡعًا ﴿۲۱﴾ }

''کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے ۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے ۔''

اس کے بعد آیات ۲۲ تا ۳۵ میں انسان کی تعمیرِ سیرت کے حوالہ سے اساسی چیزوں اور اہلِ جنت کی صفات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ فرمایا :

{اِلَّا الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ دَآئِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۲۵﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۲۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّہِمۡ غَیۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ﴿۲۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِشَہٰدٰتِہِمۡ قَآئِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِکَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ }

''مگر وہ نماز پڑھنے والے (ایسے نہیں) جو اپنی نماز کے پابند ہیں۔ اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے کا اور محروم کا ۔اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بے شک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ' سوائے اپنی بیویوں لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں ۔اور جو لوگ ان کے علاوہ کسی اور کے طلب گار ہوں پس وہی ہیں جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں ۔اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔اور جو اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں۔یہی لوگ بہشت میں عزت و اکرام سے ہوں گے۔''

سُورَۃُ نُوح

سورئہ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور پھر ان کی قوم کی ہٹ دھرمی کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام کی دو دعائوں کا تذکرہ ہے جو خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں۔ ایک

دعا میں وہ فریاد کے طور پر بارگاہِ الٰہی میں عرض کر رہے ہیں:

{رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ۙ﴿۹﴾ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ }

’’اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو پکارا رات کو بھی اور دن کو بھی۔ لیکن میرے پکارنے نے ان کے (دین حق سے) گریز ہی میں اضافہ کیا۔ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں) اور تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں (اپنے اوپر) لپیٹ لیں اور (اپنی ضد پر) اڑے رہے اور انتہائی درجے کا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی پکارا ‘ پھر میں نے بہانگ دہل بھی ان کو دعوت پہنچائی اور علیحدہ علیحدہ خفیہ طور پر بھی۔ اور میں نے ان سے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بہت معاف کرنے والا ہے (لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے)۔‘‘

آیات ۱۳ تا ۲۰ میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ایک ایک انعاماتِ الٰہیہ گنوا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ان انعامات کے باوجود تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا:

{مَا لَکُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَ قَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمۡ تَرَوۡا کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ

سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡہِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَ اللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡہَا وَ یُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسۡلُکُوۡا مِنۡہَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ }

’’تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) پر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں۔ اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تاکہ تم اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔‘‘

آیات ۲۶ تا ۲۸ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری دعا کا تذکرہ ہے اور یہ دعا ایسے سخت الفاظ پر مشتمل ہے کہ شاید ہی کسی اور رسول کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے ہوں۔ اپنی قوم کے بارے میں اتنی سخت دعا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کے لوگوں کو دن رات دعوت دی اور اس طویل عرصے کی دعوت کے نتیجے میں صرف چند لوگ ہی ایمان لائے۔ قوم کی اس ہٹ دھرمی کا اثر ان کی

طبیعت کے اندر موجود تھا' تو انہوں نے یوں دعا کی :

{رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا ﴿ ٢٦ ﴾ اِنَّكَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ يُضِلُّوۡا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿ ٢٧ ﴾ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَ لِوَالِدَىَّ وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَيۡتِىَ مُؤۡمِنًا وَّ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ‌ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿ ٢٨ ﴾ }

''اے پروردگار ! اس زمین پر ایک بھی کافروں کا گھر بستا نہ چھوڑ۔ اس لیے کہ اگر تو نے (ایک گھر بھی ان کا) چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی۔ اے میرے پروردگار ! میری اور میرے والدین کی اور اہل ایمان میں سے جو کوئی بھی میرے گھر میں داخل ہو

جائے' ان کی مغفرت فرما دے اور ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔''

اگرچہ رسول نوعِ انسانی کے ہر فرد کے لیے شفیق ہوتا ہے لیکن لوگوں کے مسلسل انکار' اعراض اور استہزاء کا حضرت نوح علیہ السلام کی طبیعت پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ ان کی دعا میں غضب کی کیفیت عیاں ہے۔

سُورَۃُ الجِنّ

سورۃ الجن میں جنوں کی ایک جماعت کا ذکر آیا ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن سنا اور واپس جا کر اپنی قوم میں اس کا ذکر کیا اور ان کو دعوت پیش کی ۔ اسی واقعہ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام ''الجن'' ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس پورے واقعے کی خبر دی ۔ فرمایا:

{قُلۡ اُوۡحِىَ اِلَىَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿ ١ ﴾ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ‌ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿ ٢ ﴾ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿ ٣ ﴾ وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿ ٤ ﴾ }

''(اے پیغمبر ﷺ ! لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے اور وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔ اور یہ کہ ہمارا بے وقوف (سردار ابلیس) اللہ کے بارے میں خلافِ حق باتیں کہتا رہا ہے۔''

آیات ۱۲ تا ۱۵ میں مذکور ہے کہ جنوں کی اس جماعت نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے آخر میں بہت خوبصورت

انداز میں کہا :

{ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰہَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ نُّعۡجِزَہٗ ہَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡہُدٰۤی اٰمَنَّا بِہٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَہَقًا ﴿۱۳﴾ }

وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَ مِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَکَانُوۡا لِجَہَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ }

''اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں) اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی اس پر ایمان لے آئے ۔تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا ۔اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض ناانصافی کرنے والے (نافرمان) ہیں۔ تو جو فرمانبردار ہوئے انہوں نے بھلائی کی راہ ڈھونڈ لی۔ اور جو بے انصاف ہیں وہ دوزخ کا ایندھن (بننے والے) ہیں۔''

اس سورۃ کی آیت ۱۸ میں شعائر اسلام میں سے مساجد کا ذکر ہوا ہے :{وَّ اَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ }''اور یہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''----مساجد اسلامی شعائر میں سے ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن میں مسجد معاشرت کی تنظیم کی بنیاد ہے' بایں معنی کہ ایک علاقے میں پنج وقتہ نماز ہو رہی ہے 'لوگ جمع ہوتے ہیں 'پھر جب کوئی نمازی نہیں آتا تو لوگوں کو تشویش ہونی چاہیے کہ آج فلاں صاحب نہیںآئے' آئو چل کر پتا کریں۔ ان مساجد کو تو معاشرتی رابطے (social contact) کا ذریعہ بننا چاہیے۔ یہ نہیں کہ نماز کے لیے آئے 'نہ کسی کو دیکھا نہ کسی سے کچھ پوچھا' نہ کسی کی کوئی مزاج پرسی کی' بس سلام پھیرا اور چلے گئے۔ نبی اکرم ﷺ تو نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے۔ دراصل ہمارے ہاں مسجد کا نظام ان ہی چیزوں پر مبنی ہے۔

آیات ۲۵'۲۶ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے وقوع کا علم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو ہے اور صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے۔ فرمایا:

{قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ }

''(اے پیغمبر ﷺ ! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز

کردی ہے۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے' سو وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔''
اگلی آیات میں ایک استثناء بیان کیا گیا ہے کہ اپنے جس پیغمبر کے لیے وہ پسند کرتا ہے اپنے علم غیب میں سے جس قدر چاہتا ہے اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔

سُورَۃُ الْمُزَّمِّل

انتیسویں(۲۹)پارے میں کل گیارہ سورتیں ہیں جو تمام کی تمام مکی ہیں ۔ ان گیارہ سورتوں کا مرکزی خیال ''انذار و تبشیر'' ہے اور پھر اس میں سے بھی انذار والا پہلو ان سورتوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان سورتوں میں سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر جوڑے کی شکل میں ہے۔ ان دونوں کے آغاز میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ سے تقریباً ہم معنی الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ سورۃ المزمل میں فرمایا:{یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾}''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے'' اور سورۃ المدثر میں فرمایا:{یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾}''اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے''۔ الفاظ تو اگرچہ مختلف ہیں لیکن معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ پھر سورۃ المدثر میں جس عملی جدوجہد کے آغاز کا رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تیاری کے لیے آپ ﷺ سے جو ذاتی ریاضت اور مشقت کرائی گئی اس کو سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا :
{یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ؕ﴿۶﴾ }
''اے کمبل لپیٹ کر لیٹنے والے ! کھڑے رہا کرو رات کو سوائے اس کے تھوڑے حصہ کے ۔ آدھا یا اس میں سے کچھ کم کر لو ۔یا اس سے کچھ زیادہ کر لو اور قرآن پڑھا کرو ٹھہر ٹھہر کر(یعنی اس کی کیفیات کو اپنے قلب و روح کی گہرائیوں میں جذب کرتے ہوئے تلاوت کیا کرو)۔ ہم یقینا آپ پر ایک بڑی بھاری ذمہ داری ڈالنے والے ہیں ۔در حقیقت یہ رات کا جاگنا نفس کو کچلنے میں بڑا ممدو مؤثر ہے اور قرآن پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔''

رات کے اوقات میں انسان اور رب کے مابین کوئی حجاب نہیں ہوتا 'اس لیے رات کی تنہائیوں میں انسان جو دعا کرتا ہے وہ براہ راست سیدھی جاتی ہے ---- اس حوالے سے یہ بھی نوٹ کر لیں کہ تہجد کی نماز نبی اکرم ﷺ کے لیے اوّلاً فرض کا درجہ رکھتی تھی ' لیکن بعد میں اسے نفل کا درجہ دے دیا گیا ' جس کا ذکر اس سورۃ کی آخری آیت میں

موجود ہے۔

آگے آیت ۱۰ میں نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے ضمن میں عام مسلمانوں کو کفار کی بدتمیزیوں اور تکالیف پر صبر کرنے کا حکم دے کر اگلی آیات میں کفار کے برے انجام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

{وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اہۡجُرۡہُمۡ ہَجۡرًا جَمِیۡلًا ﴿۱۰﴾ وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَ مَہِّلۡہُمۡ قَلِیۡلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا ﴿۱۲﴾ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۳﴾ یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ کَانَتِ الۡجِبَالُ کَثِیۡبًا مَّہِیۡلًا ﴿۱۴﴾ }

''اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو۔ اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولت مند ہیں سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو۔ کچھ شک نہیں کہ (ان کے لیے) ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ ہے۔ اور گلوگیر کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں اور پہاڑ (ایسے بھربھرے گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے نہایت جامع آیت ہے۔ اس میں ایک طرف تو رات کے قیام یعنی تہجد اور قرآن کریم کی تلاوت کے حکم کے حوالے سے کچھ تخفیف کی گئی ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو نماز قائم کرنے ' زکوٰۃ ادا کرنے ' فلاحِ عامہ کے لیے خرچ کرنے اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

{اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ ؕ وَ اللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ

یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۟ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ ۙ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ہُوَ خَیۡرًا وَّ اَعۡظَمَ اَجۡرًا ؕ وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۰﴾ }

''تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام کیا کرتے ہو۔ اور اللہ تورات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی' پس جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔ اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں 'اور بعض اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں 'اور بعض اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' تو اس (قرآن) میں سے جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو 'اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور (مزید برآں) اللہ کو اچھا قرض (خلوصِ نیت سے) دیتے رہو۔ اور جو نیک عمل تم اپنے

لیے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے۔ اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سُورۃُ المُدَّثِّر

نبی اکرم ﷺ کو آئندہ دنوں میں پیش آنے والے عملی کام کی تیاری کے لیے سورۃ المزمل میں ذاتی ریاضت کا ایک مکمل نصاب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سورۃ المدثر کے آغاز میں عملی جدوجہد کی طرف رہنمائی اس طرح کی گئی ہے۔ فرمایا:{یٰٓاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ }''اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو''------ بڑائی کا اعلان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لا شریک کا نظام اس دنیا میں بالفعل قائم کیا جائے۔ دراصل یہ ہے حضور ﷺ کی اس دنیا کی حد تک عملی جدوجہد کا منتہائے مقصود کہ وہ نظام قائم ہو جائے

جس میں اللہ ہی کو سپریم اتھارٹی مان لیا جائے کہ آخری اختیار اُسی کا ہے۔

قبل ازیں بتایا گیا ہے کہ انتیسویں پارے کی گیارہ سورتوں کا مرکزی مضمون یوم القیامہ اور عذابِ جہنم کے حوالے سے انذار ہے۔ تو اس سورۃ کی بھی ابتدائی آیات میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب کے بعد اس موضوع کو ایک الگ انداز میں بیان کیا جا رہا ہے ۔ پھر اس ضمن میں ایک ایسے شخص (ولید بن مغیرہ) کا بطور نمونہ تذکرہ کیا گیا ہے جس پر اللہ کے بے شمار انعامات تھے مگر اس نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ۔ایک بار رسول اللہ ﷺ کی زبان سے قرآن سن کر کسی قدر متاثر ہوا اور سردارانِ قریش کی محفل میں اس نے برملا کہا کہ میں شاعری میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سن کر رکھی ہیں' قرآن نہ تو شعر ہے اور نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا آخر تمہاری کیا رائے ہے؟ اس پر اس نے کچھ توقف کیا ' لیکن پھر محض برادری کو خوش کرنے کے لیے منہ بنا کر کہا کچھ نہیں' بس جادو ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ آیات ۱۸ تا ۲۵ میں اس کے اسی غور و فکر اور پھر سردارانِ قریش سے گفتگو کی طرف اشارہ ہے:

{...فَقَالَ اِنْ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ ہٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِیْہِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىکَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِیْ وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَۃٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَیْہَا تِسْعَۃَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ }

''... پھر کہنے لگا کہ یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے۔ (پھر بولا) یہ (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔ ہم عنقریب اس کو سقر میں داخل کریں گے۔ اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟ (وہ ایسی آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ اور بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی۔ اس پر انیس داروغہ ہیں۔''

آگے آیات ۳۲ تا ۳۴ میں چاند اور رات دن کی قسم کے بعد بتایا گیا کہ یہ دوزخ بھی بڑی چیزوں میں سے ہے' یعنی دوزخ اللہ کے عظیم نشانات میں سے ایک نشانی ہے جو در حقیقت انسانوں کے لیے ایک ڈرا وا ہے --- ان آیات میں جہنم کے ذکر کے متصل بعد جنت اور اس ضمن میں جنت اور جہنم والوں کے ایک مکالمے کا تذکرہ کیا جا رہا

ہے جس میں اہل جہنم خود ہی اپنے اوپر فرد جرم عائد کر رہے ہیں۔ فرمایا گیا:

{...اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ﴿۳۹﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ ۛؕ یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ ﴿۴۷﴾ }

''... مگر داہنی طرف والے (نیک لوگ کہ) وہ بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے (آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے' اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے' یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔''

اس سورت کے آخر میں قرآن کریم کو نصیحت اور یاد دہانی قرار دے کر فرمایا گیا کہ جو چاہے اس نصیحت سے سبق حاصل کرے۔ اس کے ساتھ ایک اصولی بات کی نشاندہی کر دی گئی کہ کسی بھی شخص کا نصیحت حاصل کرنا اس کے اپنے ارادے کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے۔ فرمایا گیا:

{کَلَّاۤ اِنَّہٗ تَذۡکِرَۃٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ﴿۵۵﴾ وَ مَا یَذۡکُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ ہُوَ اَہۡلُ التَّقۡوٰی وَ اَہۡلُ الۡمَغۡفِرَۃِ ﴿۵۶﴾ }

''کچھ شک نہیں کہ یہ تو ایک یاد دہانی ہے۔ تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اور نصیحت بھی تبھی حاصل کریں گے جب اللہ چاہے۔ وہی ڈرنے کے لائق اور بخشش کا مالک ہے۔''

سُورۃُ القِیَامَۃ

یہ سورۃ بڑے منفرد مزاج کی حامل ہے ---- ویسے تو ان تمام سورتوں کی آیات چھوٹی اور ردھم (flow) بہت تیز ہے۔ میں اس کے لیے پہاڑوں کے درمیان بہنے والے ندی نالوں کی مثال دیا کرتا ہوں جن کی چوڑائی تو اگرچہ کم ہوتی ہے ' لیکن ان میں

پانی بڑے جوش و خروش اور طوفانی انداز میں بہتا ہے ۔ اسی طرح کا انداز مکی سورتوں کا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہی دریا جب میدانی علاقوں میںآ جاتے ہیں تو خوب پھیل جاتے ہیں اور ان کے پاٹ بڑے ہو جاتے ہیں 'اس وجہ سے ان میں پانی نرمی سے چل رہا ہوتا ہے 'تو یہ انداز مدنی سورتوں میں پایا جاتا ہے۔

مکی سورتوں والا انداز سورۃ القیامہ میں سب سے نمایاں ہے۔پورے قرآن حکیم میں قیامت کے موضوع پر اپنے مزاج کی یہ منفرد سورت ہے جس کا آغاز ہی بڑے پرجلال انداز میں ہو رہا ہے۔ قیامت کی قسم کھا کر کہا جارہا ہے کہ تمہیں اس کے بارے میں شکوک و شبہات لاحق ہیں ' جبکہ میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ ایک شدنی اور یقینی شے ہے۔ فرمایا:{لَآ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ﴿۲﴾ }''نہیں' میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی ۔اور نہیں' میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی(کہ روزِ قیامت لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے)''---- ''نفس لوامہ'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اپنے اندر کوئی ایسی شے ہے جو اسے اس کے برے کام پر ملامت کرتی ہے۔ اس شے کو ہم ''ضمیر'' (conscious)کے نام سے جانتے ہیں۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نیکی اور بدی کا تصور انسان کے اپنے اندر موجود ہے اور اس تصور کا لازمی نتیجہ جزا و سزا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جزا و سزا کے حوالے سے وہ قانون پورا نہیں ہوتا جو فارسی کے اس مقولے ''گندم از گندم بروید' جو ز جو'' (گندم سے گندم اگنی چاہیے اور جو سے جو) میں بیان ہوا ہے۔ یہاں تو سچ بولنے سے غیر تو غیر' اپنے بھی دشمن بن جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ نیکی اور دین کے راستے پر چلنا شروع کریں تو سب سے پہلے رشتہ دار ہی آپ سے لڑیں گے ۔اسی طرح اگر آپ کسی غلط رسم کو چھوڑنے کا ارادہ کریں تو سب سے پہلے آپ کے اپنے گھر میں ہی فساد ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اس دنیا میں اچھائی اور نیکی کا بدلہ اچھا نہیں ملتا ۔ اس حوالے سے یہ دیکھیں کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوا'پتھرائو کیا گیا' نعوذ باللہ گالیاں دی گئیں' برا بھلا کہا گیا' مجنون اور پاگل کہا گیا --- اس کے برعکس اس

دنیا میں جو لوگ نیکی اور بدی کی تمیز بھول کر زندگی گزارتے ہیں وہ عیش کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جزا و سزا کے لیے کوئی نہ کوئی دن لازماً مقرر ہونا چاہیے اور وہ یقینا قیامت کا دن ہے جس کے یقینی ہونے کے بارے میں اس سورۃ کے آغاز میں دو قسموں کے ساتھ شہادت دی گئی ہے --- آگے فرمایا گیا:

{اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَہٗ ﴿۵﴾}

''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ ضرور کریں گے (اور) ہم تو اس کی (انگلیوں کی) ایک ایک پور درست کر دینے پر قادر ہیں۔ مگر انسان یہ چاہتا ہے کہ آگے کو خودسری کرتا جائے۔''

بات یہ نہیں ہے کہ آخرت اور قیامت انسان کی سمجھ میں نہیں آتی' بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ فسق و فجور کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اس کو چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ وہ کسی جزا و سزا کو نہیں مانتے۔

اس کے بعد آیت ۷ میں وقوع قیامت کے بارے میں ایک سوال کا تذکرہ ہے اور پھر اگلی آیات (۷تا۱۵) میں روزِ قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

{یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ کَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰی رَبِّکَ یَوۡمَئِذِ ۣالۡمُسۡتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ ﴿۱۵﴾}

''(انسان بڑی ڈھٹائی سے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہو گا؟ (اس کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ) جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا' اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے (یعنی چاند سورج میں دھنس جائے گا) اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ جائوں ؟ (جواب دیا جائے گا کہ) بے شک کہیں پناہ نہیں ۔ اب تو تیرے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے۔ اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے

ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔ بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے' اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔''

انسان نے اپنی زندگی میں جو اعمال سرانجام دیے وہ تقدیم ہے اور انسان جو کچھ پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے اس کی جزا و سزا بھی انسان کے حصہ میں آتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نیک اولاد چھوڑ آیا ہے تو اس کی نیکیاں اس کے حساب میں جمع ہوتی رہیں گی اور اگر کوئی شخص آوارہ اور بری اولاد چھوڑ کر آیا ہے تو اس کے اعمال کے گناہ بھی اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے ۔ پھر قیامت کے دن اس شخص کو ہر ایک چیز بتا دی جائے گی' بلکہ انسان کو تو خود

ہی پتا ہو گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے 'اس لیے اسے بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔

قیامت کے اس نقشہ کو بیان کرنے کے بعد اگلی آیات (۱۶ تا ۱۹) میں خطاب کا رُخ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نزولِ وحی کے وقت بھول جانے کے ڈر سے' جلدی اور تیزی سے اس کو یاد کرنے کی کوشش فرماتے تھے' اس حوالے سے آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے :

{لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾}

''(اے محمد ﷺ !) آپ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیا کریں کہ اس کو جلدی یاد کر لیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ پس جب ہم وحی پڑھا کریں تو آپ (اس کو سنا کریں اور) پھر اسی طرح پڑھا کریں۔ پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔''

حفاظ کو قرآن حکیم کے یاد کرنے میں کس قدر مشقت اٹھانی پڑتی ہے 'لیکن اللہ تعالیٰ نے بہ کمال شفقت و عنایت آپ ﷺ کو اس مشقت سے مستثنیٰ کر دیا۔ دوسری طرف ان آیات مبارکہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے 'یعنی حضور ﷺ کے سینہ میں قرآن اللہ عزوجل کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق جمع ہوا ہے۔ یہ آیت بعض اہل تشیع کے اس عقیدہ کا رد کرتی ہے کہ قرآن نامکمل ہے' یہ تو مکمل طور پر جمع

نہیں ہوا یا یہ ناقص رہ گیا ہے' یا اس کی ترتیب کوئی اور تھی۔ یہ باتیں درحقیقت ان آیات کا صریح انکار ہے --- اس حوالے سے آیت ۱۹ میں تو یہاں تک فرما دیا گیا کہ اس قرآن حکیم کی شرح کرنا بھی ہمارے ذمے ہے اور وہ شرح اب ہمارے پاس احادیث نبویہ کی شکل میں موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے خطاب کے بعد اگلی آیات میں ایک بار پھر قیامت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ آیات ۲۰' ۲۱ میں دنیوی اور اخروی زندگی کے حوالے سے انسانوں کے رویے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: {كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾} ''مگر (لوگو) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو''۔ انسانوں کو دنیا کی زندگی بہت محبوب ہے 'اس لیے کہ اس میں راحت بھی نقد ہے اور تکلیف بھی نقد (اس لیے اس کو ''عاجلہ'' کہا گیا ہے) اور آخرت چونکہ سامنے نہیں ہے اور اس میں جزا و سزا بھی ادھار ہے اس لیے بنی نوع انسان کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

آیات ۲۲ تا ۲۵ میں ایک بار پھر قیامت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ اس دن کے حوالہ سے کہا جا رہا ہے :

{وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾} ''اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے' اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ۔اور بہت سے چہرے اس دن

سوکھے ہوں گے ' وہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ آج ان پر مصیبت واقع ہونے والی ہے''۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے سکول میں نتیجہ سنائے جانے کے دن بہت سے بچوں کے چہروں کے تاثرات سے ان کا نتیجہ عیاں ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی چہروں کے تاثرات سے ہر شخص کا اندازہ ہو جائے گا۔

قیامت کی دو قسمیں ہیں: (۱) قیامت کبریٰ' جس کا نقشہ ماقبل آیات میں کھینچا گیا اور (۲) قیامت ِصغریٰ۔ موت کو قیامت ِصغریٰ کہا جاتا ہے 'اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ)) (۱) ''جو مرگیا اس کی قیامت تو واقع ہو گئی''---

---

(۱)تخريج الاحياء للعراقی ۴/۷۹۔ راوی : انس بن مالک رضي الله عنه (اسناده ضعيف)

اگلی آیات میں اس قیامت صغریٰ کا بیان ہے کہ پہلے تو انسان موت کا انکار کرتا ہے 'لیکن جب حالت ِنزع واقع ہوتی ہے تو پھر اسے پروردگار کی یاد آتی ہے 'لیکن اس وقت افسوس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ فرمایا گیا:

{كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ِۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ }

''دیکھو جب جان ہنسلی میں آ پھنسے گی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ؟(اس لیے کہ ڈاکٹر و حکیم تو جواب دے چکے ہوں گے) تو اس روز احساس ہو جائے گا کہ اب تو وقت فراق ہے (یعنی جس دنیا سے دل لگا رکھا تھا اب اس سے وقت رخصت ہے) ۔اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ اس روز تو تیرے رب ہی کی طرف ہانکے جانا ہے ۔نہ تو اس (عاقبت نااندیش) نے (کلام اللہ کی) تصدیق کی' نہ نماز پڑھی 'بلکہ جھٹلایا اور رخ موڑ لیا 'اور پھر چلا اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا۔ ہلاکت و بربادی ہے تمہارے لیے 'پھر ہلاکت و بربادی ہے تمہارے لیے۔''

اگلی آیات میں انسان کی تخلیق کا بڑے خوبصورت انداز میں ذکر کر کے بتایا جا رہا ہے کہ جو ذات انسان کو عدم سے وجود میں لا سکتی ہے وہ ذات بلاشبہ مردہ کو زندہ کر دینے پر بھی قادر ہے۔ فرمایا:

{اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾

فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ وَ الۡاُنۡثٰى ﴿ ۳۹ ﴾ اَلَيۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنۡ يُّحۡىِۦَ الۡمَوۡتٰى ﴿ ۴۰ ﴾ }

''کیا انسان نے یہ سمجھا ہے کہ وہ یونہی چھوٹ جائے گا ؟ کیا وہ منی کی ٹپکائی ہوئی ایک بوند نہ تھا ؟ پھر وہ ایک لوتھڑا ہوا' پھر اللہ نے اس کو بنایا اور اس کے نقش و نگار درست کیے۔ پھر اس کی دو جنسیں بنا دیں' ایک مذکر اور ایک مؤنث۔ تو کیا وہ ہستی اس پر قادر نہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکے؟''

سُورۃُ الدَّھر

اس سورۃ کا ابتدائیہ حکمت قرآنی کے اعتبار سے بہت اہم ہے ----اس حوالے سے بتایا گیا تھا کہ انتیسویں پارے کی ان گیارہ مکی سورتوں کی بعض آیات فلسفہ و حکمت قرآنی کے اعتبار سے بہت اہم ہیں 'سورۃ الدہر کی ابتدائی آیات بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں ---- سورۃ القیامہ کا اختتام نطفہ سے انسان کی تخلیق پر ہوا تھا تو اس سورۃ مبارکہ کا آغاز اسی مضمون سے ہو رہا ہے ۔ اس لحاظ سے ان دونوں سورتوں کی حیثیت بھی ایک جوڑے کی سی ہے۔ فرمایا گیا:

{هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔا مَّذۡكُوۡرًا ﴿ ۱ ﴾ اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ﴿ ۲ ﴾ اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوۡرًا ﴿ ۳ ﴾ }

''کیا انسان کو یاد ہے کہ اس پر ایک وہ وقت بھی گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا؟ (حقیقت یہ ہے کہ) ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے بنایا ہے تاکہ اسے آزمائیں' چنانچہ ہم نے اس کو سماعت بھی دی' بصارت بھی دی اور سیدھا راستہ بھی دکھایا۔ (پھر اس کو اختیار دے دیا کہ) چاہے تو شکر گزاری کا راستہ اختیار کرے چاہے ناشکری کا۔''

البتہ شکر گزاری اور ناشکری کا نتیجہ ایک دوسرے کے برعکس ہو گا ---- اگلی آیات (۴تا۲۲) میں شکر گزار اور نیکوکاروں پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ ہے (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!) اور دوسری طرف ناشکروں اور کافروں کے لیے عذاب اور سزائوں کا بیان ہے (اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ!) لیکن ارحم الراحمین کا انداز ملاحظہ ہو کہ ان ۱۹ آیات میں سے صرف ایک آیت میں عذاب و سزا کا ذکر ہے جبکہ باقی ۱۸ آیات میں انعاماتِ الٰہیہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ پھر ان آیات کے درمیان (آیات ۷ تا ۱۱ میں) ان لوگوں کی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ان انعامات کے مستحق ہوں گے۔

فرمایا:

{اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُہَا کَافُوۡرًا ۚ﴿ ۵ ﴾ عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا

عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوۡنَہَا تَفۡجِیۡرًا ﴿ ۶ ﴾ یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡرًا ﴿ ۷ ﴾ وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا ﴿ ۸ ﴾ اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا ﴿ ۹ ﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا یَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِیۡرًا ﴿ ۱۰ ﴾ فَوَقٰىہُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الۡیَوۡمِ وَ لَقّٰىہُمۡ نَضۡرَۃً وَّ سُرُوۡرًا ﴿۱۱﴾ وَ جَزٰىہُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّۃً وَّ حَرِیۡرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ۚ لَا یَرَوۡنَ فِیۡہَا شَمۡسًا وَّ لَا زَمۡہَرِیۡرًا ﴿۱۳﴾ }

''جونیکوکار ہیں وہ ایسی شراب نوش جاں کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس میں سے (چھوٹی چھوٹی) نہریں نکال لیں گے۔ یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی پھیل رہی ہوگی ،خوف رکھتے ہیں۔ اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ)ہم تم کو خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں، نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے (طلب گار)۔ ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو (چہروں کو) کریہہ المنظر اور (دلوں کو) سخت (مضطرب کر دینے والا) ہے ۔تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچا لے گا اور تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کرے گا۔ ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ،وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت۔''

سورۃ القیامہ کی طرح اس سورۃ میں بھی چند آیات میں خطاب کا رُخ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف کیا گیا ہے ۔ نزولِ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

{اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا ﴿۲۳﴾ فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تُطِعۡ مِنۡہُمۡ اٰثِمًا اَوۡ کَفُوۡرًا ﴿۲۴﴾ وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۲۵﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَاسۡجُدۡ لَہٗ وَ سَبِّحۡہُ لَیۡلًا طَوِیۡلًا ﴿ ۲۶ ﴾ }

''(اے محمد ﷺ !) ہم آپ پر یہ قرآن نازل کر رہے ہیں جیسے کہ نازل کرنے کا

حق ہے (یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے) پس اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور گناہگار اور ناشکرے لوگوں (کے دبائو اور مخالفت سے متاثر ہو کر ان)کی رائے قبول نہ کیجیے ۔اور صبح و شام اپنے رب کو یاد کریں ،اور رات کا ایک طویل حصہ اللہ کی تسبیح اور سجدہ میں گزاریں۔''

اس کے بعد آیت ۲۷ میں وہی بات بیان کی گئی ہے جس کا ذکر سورۃ القیامہ میں بھی ہوا تھا ۔ فرمایا:{اِنَّ

هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَۃَ وَ یَذَرُوۡنَ وَرَآءَہُمۡ یَوۡمًا ثَقِیۡلًا ﴿۲۷﴾} ''یہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور آنے والے قیامت کے ثقیل اور بھاری دن کو پس پشت چھوڑ دیتے ہیں۔''

سورۃ المدثر کی طرح اس سورۃ کے آخر میں بھی اس اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی کہ تم لاکھ کچھ کرنا چاہو اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک اس میں اللہ کی مشیت شامل نہ ہو اور جب تک تمہیں اس کی توفیق نصیب نہ ہو۔ فرمایا گیا:

{وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۳۰﴾ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ وَ الظّٰلِمِیۡنَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۳۱﴾}

''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو۔ بے شک وہ سب کچھ جاننے والا اور کمال حکمت والا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے' اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

سُورۃُ المُرسَلٰت

سورۃ المرسلات انتیسویں پارے اور اس میں موجودہ گیارہ مکی سورتوں کی آخری سورت ہے۔ اس کا مرکزی مضمون بھی قیامت اور انذار ہے۔ اس کے بعد آنے والی آخری پارہ کی پہلی سورۃ ''النبا'' اور سورۃ المرسلات باہم جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ المرسلات کا آغاز پانچ قسموں سے ہو رہا ہے ----- ان میں سے چار قسمیں ہوائوں سے متعلق ہیں۔ ہوائوں کی قسمیں اس لیے کھائی گئی ہیں کہ گزشتہ اقوام میںسے چند ایک پر ان ہوائوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا۔ پانچویں قسم وحی لانے والے

فرشتوں کی ہے ----- یہ تمام قسمیں اس بات پر اٹھائی جا رہی ہیں کہ جس قیامت کی تمہیں خبر اور دھمکی دی جا رہی ہے وہ یقینا برپا ہو کر رہے گی اور یہ کوئی جھوٹ موٹ کی بات نہیں ہے۔ فرمایا گیا:

{وَ الۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۵﴾ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾}

''ان ہوائوں کی قسم جو نرم نرم چلتی ہیں' پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں' اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا

دیتی ہیں' پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں ۔پھر فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں 'تاکہ عذر (رفع) کر دیا جائے یا ڈر سنا دیا جائے 'کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے وہ ہو کر رہے گا۔''

اس سورئہ مبارکہ میں ایک آیت تکرار کے ساتھ دس بار آئی ہے : {وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ }یعنی افسوس' رنج و صدمہ 'تباہی و ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اس آنے والے دن یعنی قیامت کو جھٹلایا ---- اس سورۃ کی آیات باہم مربوط ہیں اور ایسے لگتا ہے جیسے تسبیح کے دانوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا گیا ہو۔ اس سورۃ میں چار پانچ آیات میں قیامت سے متعلق ایک بات کو بیان کیا گیا ہے اور پھر {وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ } لا کر قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت کا اعلان بھی ساتھ ہی کر دیا گیا ہے۔

آیات ۸ تا ۱۴ میں ماقبل سورتوں کی طرح قیامت کا ایک نقشہ بایں الفاظ کھینچا گیا ہے:

{فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۪﴿۸﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۪﴿۹﴾ وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ؕ﴿۱۲﴾ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۚ﴿۱۳﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ؕ﴿۱۴﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۵﴾}

''پس جب تاروں کی چمک جاتی رہے 'اور جب آسمان پھٹ جائے 'اور جب پہاڑ اڑے اڑے پھریں' اور جب پیغمبر (وقت مقررہ پر) جمع کیے جائیں 'بھلا (ان امور میں) تاخیر کس لیے کی گئی؟ فیصلے کے دن کے لیے۔اور تمہیں کیا خبر کہ فیصلے کا دن کیا ہے ۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

قبل ازیں سورۃ القیامہ اور سورۃ الدھر میں قیامت کے ثبوت کے لیے نطفہ سے تخلیق انسانی کا تذکرہ کیا گیا تھا تو اس سورۃ میں اسی بات کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا جا رہا ہے۔ فرمایا گیا:

{اَلَمۡ نَخۡلُقۡکُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلۡنٰهُ فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرۡنَا ۟ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۴﴾}

''کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ (پہلے) اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک وقتِ معین تک' پھر اندازہ مقرر کیا 'اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔''

آیات ۴۱ تا ۴۹ میں اوّلاً نیک اور متقی لوگوں کے لیے انعامات کا تذکرہ ہے اور آخراً مجرمین کے لیے ایک دھمکی ہے کہ اس دنیا میں جو مزے اڑانے ہیں اڑا لو' پھر تمہیں عذاب الٰہی کا سامنا بھی کرنا ہے۔ فرمایا گیا:

{اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ وَّ فَوَاکِهَ مِمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۴۲﴾ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـًٔۢا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۵﴾ کُلُوۡا وَ تَمَتَّعُوۡا قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ

لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿ ۴۷ ﴾ وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ ارۡكَعُوۡا لَا يَرۡكَعُوۡنَ ﴿ ۴۸ ﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿ ۴۹ ﴾ }

''بے شک پرہیزگار سایوں اور چشموں میں ہوں گے' اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں۔ جو اعمال تم کرتے رہے تھے ان کے بدلے میں مزے سے کھائو اور پیو ۔ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے ۔(اے جھٹلانے والو!) تم کسی قدر کھا لو اور فائدے اٹھا لو' تم بے شک گنہگار ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکو تو جھکتے نہیں ۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس میں قرآن مجید کے حوالے سے فرمایا گیا :{فَبِاَيِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿ ۵۰ ﴾ }''اس

حدیث کے بعد یہ اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟'' یعنی جب قرآن جیسا نسخہ کیمیا بھی نازل ہو گیا اور وہ اس کو پڑھ کر بھی ایمان نہیں لا رہے تو اب اس کے بعد اور کونسی چیز ہو گی جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ یہی بات سورۃ الزمر میں بایں الفاظ کہی گئی تھی : {اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ} (آیت ۲۳) ''اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیات) ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں''۔ اسی طرح نبی آخر الزمان ﷺ نے بھی اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ((وَخَيۡرُ الۡحَدِيۡثِ كِتَابُ اللّٰهِ))(۱) ''اور بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے'' ---- ان دونوں آیات اور فرمانِ رسول ﷺ میں قرآن یعنی اللہ کے کلام کو ''حدیث'' کہا گیا ہے' جبکہ ہمارے ہاں قولِ رسولؐ کو حدیث کہا جاتا ہے ۔ واضح رہے کہ ان دونوں یعنی قول اللہ اور قول رسولؐ پر حدیث کا اطلاق ہو سکتا ہے' لیکن چونکہ اب ''حدیث'' کا لفظ قولِ رسول کے لیے ایک اصطلاح بن گیا ہے لہٰذا جب بھی ہم ''حدیث'' کہیں گے تو اس سے صرف ''قولِ رسول'' ہی مراد ہو گا۔

سُورَۃُ النَّبَا

قرآن حکیم کی آخری منزل سورۂ قٓ سے شروع ہوتی ہے۔تعدادِ سور کے اعتبار سے یہ آخری منزل تقریباً نصفِ قرآن ہے اور اس میں کل ۶۵ سورتیں ہیں 'جن میں سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے ۔ مزید برآں دو اور سورتیں ّ(البینہ اور النصر)مدنی ہیں' جبکہ ان کے علاوہ باقی تمام سورتیں مکی

ہیں۔قرآن مجید کی اس آخری منزل کے حوالے سے ۔دوسری بات یہ نوٹ لیجیے کہ قرآن مجید کا یہی حصہ سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔ یہ حصہ حجم کے اعتبار سے اگرچہ چھوٹی چھوٹی سورتوں پر مشتمل ہے ‘لیکن یہ سورتیں اپنے معانی اور مفاہیم کے لحاظ سے بہت جامع ہیں۔

---

(۱)تخریج کتاب السنۃ للالبانی‘ ح۲۴۔ راوی : جابر بن عبداللہ رضي الله عنه (اسناده صحيح على شرط مسلم)

تیسویں پارے کی مکی سورتوں کا رنگ وہی ہے جو انتیسویں پارے کی سورتوں کا تھا‘ یعنی خبردار کرنا‘ قیامت سے قبل اور بعد میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا بیان‘ جزا و سزا‘ بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ کا تذکرہ‘ وغیرہ -- --- تیسویں پارے کی پہلی سورۃ ''النبا'' ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا نقطہ آغاز انذار ہے {يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ ۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ ۲ } چنانچہ آپؐ نے سب سے پہلے آخرت کے بارے میں خبر دی تو اس پر ایک ہنگامہ سا شروع ہو گیا‘ ایک ہلچل برپا ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اس کا نقشہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں کھینچا گیا ہے ۔ فرمایا:

{عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ ۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ ۲ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ ۳ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ۵ }

''یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اُس بڑی خبر کی نسبت جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں ! (قیامت کے بارے میں ان کے خیالات ہرگز درست نہیں !) یہ عنقریب جان لیں گے۔ ہاں‘ ہرگز نہیں ! یہ عنقریب جان لیں گے۔''

آیات ٦ تا ١٦ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کیے گئے اپنے انعامات کا تذکرہ بطور دلیل کے کیا ہے کہ وہ ذات جو ان تمام چیزوں کو بنا سکتی ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو جزا و سزا کے لیے دوبارہ زندہ کرے ! -- اور اس کے بعد آیات ١٧ تا ٢٠ میں قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

{اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝ ۱۷ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ ۱۸ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ ۱۹ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ ۲۰ }

''بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ فوج درفوج آموجود ہوگے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔''

آگے آیات ۲۱ تا ۳۷ میں پہلے اہل دوزخ اور ان کے دردناک حالات کا تذکرہ کیا گیا اور اس کے فوراً بعد اہل جنت اور ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہونے

والے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں میدانِ حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

{جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ؕ لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِکَ الۡیَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰکُمۡ عَذَابًا قَرِیۡبًا ۚ یَّوۡمَ یَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ وَ یَقُوۡلُ الۡکٰفِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ }

''یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے انعام متعین ۔وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو ان دونوں میں ہے سب کا مالک ہے' بڑا مہربان ہے' کسی کو اس سے بات کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔ جس دن روح (حضرت جبرائیل ؑ) اور ملائکہ (پروردگار کے سامنے) صف در صف کھڑے ہوں گے' اور اس وقت (دہشت کا وہ عالم ہو گا کہ) خدائے رحمن کے اذن کے علاوہ کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوگی اور جو بولے گا وہ صحیح بولے گا۔ یہ دن برحق ہے' پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس (اپنا) ٹھکانہ بنا لے ۔ (اے لوگو!) ہم نے تمہیں اس عذاب سے خبردار کر دیا ہے جو آنے والا ہے۔ اُس دن انسان اپنے کرتوتوں کو دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہیں اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا!''

دیکھئے یہ کلمۂ حسرت ہے جو اُس دن وہ لوگ کہیں گے جو ناکام و نامراد قرار دیے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں ایک چڑیا ہوتا یا گھاس کا ایک تنکا ہوتا جس کا کوئی محاسبہ نہیں! اگر انسان اس دنیا میں ہی اس محاسبے کا احساس کرلے تو وہ کامیاب ہو جائے گا' ورنہ اُس روز یہ حسرت بھرا کلمہ کہنا پڑے گا: {یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا} ''کاش میں مٹی ہوتا!''

سُورَۃُ النّٰزِعٰت

سورۃ النازعات اور سورۂ عبس جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ النازعات کا آغاز کچھ قسموں سے ہو رہا ہے۔ ان قسموں کے مفہوم کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ عام

طور پر یہ خیال ہے کہ یہ فرشتوں کے مختلف اعمال کی قسمیں ہیں جس طرح سورۃ الصافات کے شروع میں ہیں ---- دراصل یہ پانچ سورتیں ہیں: الصافات' الذاریات' المرسلات' النازعات اور العادیات' ان سب کا آغاز مختلف قسموں سے ہو رہا ہے ---- اس سورۃ کے آغاز میں فرشتوں کے چند افعال کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا:

{وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾}

''قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں' اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں' اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں' پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں' پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔''

یہاں پر مقسم علیہ محذوف ہے' لیکن قسم اسی بات پر کھائی جا رہی ہے جو اس سے قبل سورتوں میں آچکی ہے۔ یعنی جس بات (قیامت) کی تمہیں خبر دی جا رہی ہے وہ اٹل اور یقینی ہے اور جزا و سزا کا معاملہ ہو کر رہے گا۔

آیات ۶ تا ۱۴ میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور آیات ۱۵ تا ۲۶ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو مختصراً بیان کیا گیا ہے ---- جبکہ سورۃ کے دوسرے رکوع میں دو ٹوک انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ اصل فیصلہ کن بات آخرت کا یقین' آخرت کی باز پرس اور حساب و کتاب کا خوف ہے۔ اگر تو یہ انسان کے اندر موجود ہے تو انسان کا انجام اچھا اور بھلا ہو گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو زبان سے خواہ وہ کچھ بھی کہہ رہا ہو' چاہے آٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡآخِرِ کا ورد کر رہا ہو' لیکن دل میں یہ کچھ نہ ہو تو اس کا انجام کچھ اور ہی ہو گا۔ فرمایا:

{فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الۡکُبۡرٰی ﴿۳۴﴾ یَوۡمَ یَتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰی ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِمَنۡ یَّرٰی ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ﴿۴۱﴾}

''تو جب بڑی آفت (یعنی قیامت) آئے گی' تو اس دن انسان اپنے کاموں کو

یاد کرے گا' اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے نکال کر رکھ دی جائے گی۔ تو جس نے سرکشی کی روش اختیار کی' اور اس دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی' تو اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (اس کے برعکس) جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو بُری خواہشات سے روکتا رہا' تو اُس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

آگے لوگوں کے ایک سوال کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہو گی ؟ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ لازمی واقع ہو گی لیکن اس حوالے سے وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا گیا:

{یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰىہَا ﴿۴۲﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰىہَا ﴿۴۳﴾ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَہٰىہَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰىہَا ﴿۴۵﴾ کَاَنَّہُمْ یَوْمَ یَرَوْنَہَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰىہَا ﴿۴۶﴾}

''(اے پیغمبر ﷺ ! لوگ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا؟ سو آپ اس کے ذکر سے کس فکر میں ہیں؟ اس کا منتہا (یعنی واقع ہونے کا وقت) آپ کے پروردگار ہی کو (معلوم) ہے۔ جو شخص اس سے ڈر رکھتا ہے آپ تو اسی کو ڈر سنانے والے ہیں۔ جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔''

سُورَۃ عَبَس

اس سورۃ کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے ' اس لیے کہ بظاہر اس میں نبی اکرم ﷺ پر گرفت ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کچھ سردارانِ قریش کی محفل میں تشریف فرما تھے اور کچھ گفتگو ہو رہی تھی --- ظاہر ہے کہ گفتگو (معاذ اللہ) کسی اپنی غرض سے نہیں بلکہ دعوتِ دین کے حوالہ سے ہو رہی تھی اور حضور ﷺ کا التفات اُن کی جانب تھا --- اس دوران درویش صحابہ میں سے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بار بار آپؐ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی ' جس سے آپؐ کو ناگواری کا

احساس ہوا اور آپؐ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ دیکھا جائے تو یہ معاملہ ہر اعتبار سے بجا (justified) تھا کہ میں مصروف ہوں اور یہ دخل اندازی کر رہے ہیں ۔ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں تھی ' لیکن دیکھنے والوں کو بہرحال ایک اندیشہ اور گمان ہو سکتا تھا۔ یہ ہے وہ بات جس پر بظاہر کچھ گرفت ہوئی --- اسی طرح کا مضمون سورۃ الکہف کی آیت ۲۸ میں بھی بیان ہوا تھا : {وَ اصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّہُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْہَہٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْہُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ} ''آپؐ اپنے آپ کو روکے رکھیے ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں۔ کیا آپؐ بھی دنیا کی زندگی کے طالب ہو گئے ہیں !''

معاذ اللہ‘ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ آپؐ کی یہ کیفیت ہو‘ لیکن دیکھنے والوں کو تو ایسا گمان ہو سکتا ہے ‘اس لیے کچھ گرفت ہوئی --- سورۂ عبس میں اس حوالے سے فرمایا:

{عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴿۲﴾ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ۙ﴿۳﴾ اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَہٗ تَصَدّٰی ؕ﴿۶﴾ وَ مَا عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ۙ﴿۸﴾ وَ ہُوَ یَخۡشٰی ۙ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ عَنۡہُ تَلَہّٰی ﴿۱۰﴾}

’’(محمد ﷺ نے) تیوری پر بل ڈالے اور رخ موڑ لیا ‘جبکہ ان کے پاس آیا ایک نابینا۔ اور آپؐ کو کیا معلوم کہ (اگر آپ اس کی طرف التفات کرتے تو) شاید اس کو تزکیہ حاصل ہو جاتا ‘یا آپ اسے سمجھاتے تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ جو استغنا دکھا رہا ہے (اور آپ کی دعوت کی جانب متوجہ نہیں ہو رہا) اس کی طرف آپ متوجہ ہیں‘ حالانکہ اگر وہ تزکیہ اخذ نہ کر سکے تو آپ پر کوئی الزام نہیں ۔اور جو آپ کے پاس دوڑ کر آیا‘ اور اس کے دل میں اللہ کا خوف ہے ‘اُس سے آپ غفلت برت رہے ہیں !‘‘

روایات میں آتا ہے کہ اس کے بعد جب بھی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تو آپؐ اُن پر بہت شفقت فرماتے اور کہتے : ((مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِیْ

فِیْہِ رَبِّیْ))(۱) ’’خوش آمدید اُس شخص کو جس کے معاملے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا !‘‘ پھر پوچھتے : هَلْ لَکَ مِنْ حَاجَۃ ’’کوئی کام ہے تو بتائو !‘‘

اس کے بعد کی آیات بہت اہم ہیں۔ آیت ۱۱ اور ۱۲ میں تو اللہ تعالیٰ کی شانِ استغنا کا بیان ہے۔ فرمایا گیا: {کَلَّاۤ اِنَّہَا تَذۡکِرَۃٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ﴿۱۲﴾} ’’(اے نبی ﷺ !) یہ (قرآن) تو ایک نصیحت (یاد دہانی) ہے۔ پس جو چاہے اس نصیحت (یاد دہانی) سے فائدہ اٹھائے‘‘۔یعنی جو چاہتا ہے اس سے فائدہ اٹھالے یہ اس کے نفع اور بھلے کی بات ہے اور اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو آپ اپنے آپ کو اس کے پیچھے ہلکان نہ کیجیے۔ اگلی آیات میں قرآن کی شان اور عظمت کو بیان کیا گیا ہے ۔ فرمایا:

{فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍ ﴿۱۴﴾ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ﴿۱۵﴾ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ؕ﴿۱۶﴾}

’’(یہ بڑی قدر و منزلت والی کتاب) بہت باعزت صحیفوں میں درج ہے‘ جو (اپنی شان میں) بہت بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں ‘معزز اور نیکوکار کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔‘‘

سورۃ کے آخر میں قیامت کا نقشہ لرزہ طاری کر دینے والے انداز میں یوں کھینچا گیا ہے جسے ہم عام الفاظ میں کہتے ہیں کہ اس وقت نفسا نفسی کا عالم ہو گا اور ہر انسان کو اپنی پڑی ہو گی ‘نہ کوئی بیٹا باپ کے کام آئے گا اور نہ باپ بیٹے کے۔ فرمایا گیا:

{فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ ﴿۳۳﴾ یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّہٖ وَ اَبِیۡہِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ بَنِیۡہِ ﴿ؕ۳۶﴾ لِکُلِّ امۡرِیٍٔ مِّنۡہُمۡ یَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ یُّغۡنِیۡہِ ﴿ؕ۳۷﴾}

''جب وہ کٹھن گھڑی آئے گی تو اس دن انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے' اپنے ماں باپ سے' اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔ اُس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہو گی' کسی اور کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جائے گا۔''

سورۃ کی آخری پانچ آیات میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمام بنی نوع انسان ربّ العالمین کے سامنے فیصلے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے' جبکہ فیصلہ اور نتیجہ ان کے

---

(۱)علوم القرآن' اسباب النزول' ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدی۔

اپنے چہروں سے عیاں ہو رہا ہو گا۔ یوں سمجھ لیں جیسے سکول میں نتیجہ سنائے جانے کے دن اکثر بچوں کے چہروں کے تاثرات سے ان کا نتیجہ عیاں ہو رہا ہوتا ہے' اسی طرح قیامت کے دن بھی چہروں کے تاثرات سے ہر شخص کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس حوالے سے فرمایا:

{وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَۃٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِکَۃٌ مُّسۡتَبۡشِرَۃٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡہَا غَبَرَۃٌ ﴿۴۰﴾ تَرۡہَقُہَا قَتَرَۃٌ ﴿ؕ۴۱﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکَفَرَۃُ الۡفَجَرَۃُ ﴿۴۲﴾}

''اور کتنے ہی چہرے اُس روز (نورِ ایمان سے) چمک رہے ہوں گے' خنداں و شاداں ہوں گے۔ اور کتنے ہی چہرے ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہو گی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہو گی۔ یہ وہ ہوں گے جو کفار اور بدکردار تھے۔''

سُورۃُ التکوِیر

سورۃ التکویر اور سورۃ الانفطار دونوں جوڑے کی شکل میں ہیں اور ان کے مضامین بھی تقریباً ایک جیسے ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سورۃ الانفطار کی نسبت سورۃ التکویر میں یہ نقشہ ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دونوں سورتوں میں ایک ہی مضمون آیا ہے ۔ سورۃ التکویر میں فرمایا: {عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ﴿۱۴﴾} ''اس روز انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے !'' جبکہ سورۃ الانفطار میں فرمایا گیا:{عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿۵﴾} ''اُس روز ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ کیا اس نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا !''

سورۃ التکویر کی اگلی آیات میں وہ مضمون آ رہا ہے جو سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پہلے حضور ﷺ کا ذکر تھا ' بعد میں حضرت جبرائیل کا ' اور یہاں حضرت جبرائیل کا ذکر پہلے آیا ہے اور حضور ﷺ کا بعد میں۔ جیسے حدیث ِنبوی میں ہم دیکھا کرتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی کون ہیں اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے کہ نہیں ' اسی طرح یہ قرآن ''حدیث اللہ'' ---- {فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ} ---- ہے۔اس کے راویٔ اوّل حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور

راویٔ دوم حضرت محمد ﷺ ۔ اب ان دونوں راویوں نے ایک دوسرے سے ملاقات بھی کی ہے یا نہیں؟---- یہ مضمون سورۃ النجم میں آیا تھا اور اب یہاں سورۃ التکویر میں اس کا اعادہ ہو رہا ہے ۔یہاں چار قسموں کے بعد فرمایا گیا:

{اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ وَ مَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲۳﴾ وَ مَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ وَ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَیۡنَ تَذۡہَبُوۡنَ ﴿۲۶﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ﴿۲۸﴾ }

''بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے ۔جو صاحب قوت ' مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا سردار اور امانت دار ہے۔ اور (اے مکے والو!) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں۔ انہوں نے اس (جبرائیل ؑ) کو افق مبین پر (ان کی اصلی شکل میں) دیکھا ہے۔ اور وہ پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرنے میں بخیل نہیں ہیں۔ اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ تو تم کدھر جا رہے ہو؟ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے ۔جو بھی تم میں سے چاہے سیدھی راہ اختیار کرے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت میں مشیت ِالٰہی سے متعلق وہی مضمون دہرایا گیا ہے جو اس سے پہلے سورۃ المدثر -- {وَ مَا یَذۡکُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ}(آیت ۵۶) ''اور نصیحت بھی تبھی حاصل کریں گے جب اللہ چاہے'' -- اور سورۃ الدھر -- {وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ}(آیت ۳۰) ''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو'' -- میں بیان ہوا ہے ' جبکہ سورۃ التکویر کی آخری آیت میں اس حوالے سے فرمایا گیا :{وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ

رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ ۲۹ ﴾}''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو تمام جہانوں کا پروردگار چاہے!''

سُورۃُ الانفِطَار

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو گیا کہ سورۃ الانفطار کی ابتدائی آیات میں قیامت اور اس

دن پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے' لیکن اس کا مرکزی مضمون آیت ٦ میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا:{یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ ۙ﴿ ٦ ﴾}''اے انسان! تجھے اپنے ربّ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے؟''---اس سورت کے مرکزی مضمون کے حوالے سے یہ سمجھ لیجیے کہ ہمارے ہاں گمراہی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کو ذہنی سہارا بنا کر گناہوں پر جری ہوجاتے ہیں۔اللہ کی رحمت کی اس قدر امید کہ اُس کی پکڑ کا خوف نہ رہے' یہ ہمارے ہاں گمراہی کی ایک بہت بڑی صورت ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ انسان میں بین الخوف والرجاء کی کیفیت برقرار رہے۔ اللہ کی پکڑ کا خوف بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی ہو۔ اگر یہ دونوں کیفیات بیک وقت ہوں اور متوازی بھی ہوں تو انسان کا طرزِ عمل درست ہے' لیکن اگر اس کی رحمت اور شان غفاری کے حوالے سے دھوکہ کھا گئے--- جیسے سورۃ الحدید میں فرمایا:{وَ غَرَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ ﴿ ۱۴ ﴾} ''اور تم کو دھوکہ دیا اللہ کے بارے میں بڑے دھوکہ باز (شیطان) نے''---تو یاد رکھو کہ وہ انتقام لینے والا اور سزا دینے والا بھی ہے۔ اس لیے آگے آیات میں فرمایا:

{کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴿ ۹ ﴾ وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ﴿۱۰﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿۱۱﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿ ۱۲ ﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿۱۴﴾}

''ہرگز نہیں' بلکہ تم لوگ تو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر (اور تمہارے اعمال کو) لکھنے والے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔بے شک نیک لوگ جنت میں' اور گناہگار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔''

سُورۃُ المُطَفِّفِین

سورۃ المطففین اور سورۃ الانشقاق بھی ایک جوڑے کی شکل میں ہیں --- 'طف' عربی زبان میں بہت ہی حقیر چیز کو کہا جاتا ہے اور مطففین کا مطلب ہے بہت ہی حقیر چیز کے لیے دھوکہ دینے والے --- کم تولنا بھی ایک دھوکہ ہے جس میں انسان معمولی سی چیز کے لیے اپنا ایمان فروخت کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا جارہا ہے:

{وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۖ﴿۲﴾ وَ اِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۙ﴿۵﴾ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ﴿۶﴾ }

''ہلاکت ہے گھٹانے والوں کے لیے۔ جو لوگوں سے ناپ تول کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں' اور جب ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ کیا انہیں گمان نہیں کہ ایک دن انہیں اٹھایا جائے گا! وہ بہت بڑا دن ہے 'جس دن لوگ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے۔''

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ان سورتوں کی بعض آیات قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں' اس سورۃ میں بھی قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے دو مقام بہت اہم ہیں۔ پہلا مقام ہے:

{اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ؕ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلۡ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ؕ﴿۱۴﴾ }

''جب اس کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔''

انسانی جسم میں دل بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس میں معرفت خداوندی مضمر ہے۔ یہ گویا آئینہ جہاں نما ہے' لیکن اس پر انسان کے برے اعمال کی وجہ سے داغ دھبے پڑتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ داغ مٹ جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے اور گناہ کرتا رہے تو اسی طرح داغ پڑتے پڑتے دل پوری طرح زنگ آلود ہوتا ہے اور بند مٹھی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ آئینہ قلب کے جلاء و صیقل کا ذریعہ تلاوت قرآن مجید ہے۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَائُ)) قِيْلَ يَا

رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا جِلَائُ ھَا؟ قَالَ: ((کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْآنِ))(۱)

''بنی آدم کے قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی پڑنے سے!'' دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! اس زنگ کو دُور کس چیز سے کیا جائے؟ فرمایا: ''موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت!''

قرآن مجید کے فلسفے اور حکمت کے حوالے سے اس سورۃ کا دوسرا اہم مقام آیت ۲۶ ہے۔ ماقبل آیات میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں فرمایا: {وَ فِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾} ''تو (جنت کی ان نعمتوں کے) شائقین کو چاہیے کہ اس کی رغبت کریں''۔ تنافس کہتے ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کو۔ یہاں فرمایا گیا کہ جنت کی نعمتوں کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو' جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دولت' شہرت' عزت' وجاہت اور اقتدار میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سورۃ کی آخری آیات جزا و سزا کے حوالے سے مؤمنین کے لیے بہت امید افروز اور حوصلہ افزا ہیں۔ ارشاد ہوا:

{اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِہِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَہْلِہِمُ انْقَلَبُوْا فٰکِہِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْہُمْ قَالُوْٓا اِنَّ ہٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْہِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ ہَلْ ثُوِّبَ الْکُفَّارُ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾}

''جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مؤمنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے۔ اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے۔ اور جب ان (مؤمنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہی تو گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ تو آج مؤمن کافروں سے ہنسی کریں گے۔ (اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔ تو کیا کافروں کو ان کے اعمال کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا!''

---

(۱) رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ المصابیح' کتاب فضائل القرآن' الفصل الثالث۔

سُورۃُ الۡاِنۡشِقَاق

سورۃ المطففین کی طرح اس سورۃ میں بھی قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے ایک بڑی عظیم آیت آئی ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں چند قسموں کے ذکر کے بعد آگے فرمایا:

{یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ ۚ﴿۶﴾}

''اے انسان! تم کو دکھ سہتے ہوئے بالآخر اپنے رب کے حضور پہنچ جانا ہے۔''

فلسفہ کے اعتبار سے یہ بہت عظیم آیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو بے پناہ دکھ اٹھانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ بدھ مت کا فلسفہ یہ ہے کہ ''سرگم دکھم'' یعنی اس دنیا میں دکھ ہی دکھ ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بھولنے کا مادہ رکھا ہے' جو ایک safety valve ہے کہ کچھ وقت کے بعد وہ یہ دکھ بھول جاتا ہے' ورنہ یہ صدمات انسان کے لیے سوہانِ روح بن جائیں۔ دوسری طرف یہ صدمات اور تکلیفیں حیوان بھی برداشت کرتے ہیں' لیکن انسان کا معاملہ حیوانات سے مختلف ہے اور انسانوں کو ان تمام مصائب اور تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد ایک دن اپنے رب کے سامنے محاسبہ کے لیے بھی کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ اس دن کے حوالے سے فرمایا:

{فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾ وَّیَنۡقَلِبُ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾}

''اُس دن جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو اُس کا حساب کتاب آسان ہو گا' اور وہ لوٹے گا اپنے گھر والوں کے پاس بہت مسرور و شادمان ہو کر!''

''حساب یسیر'' کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ربّ العالمین کے سامنے پیشی ہو گی اور بس سرسری سا حساب ہو گا۔ اس لیے دعا کرتے رہنا چاہیے: اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا ''اے اللہ! ہم سے آسان حساب لینا!'' آگے فرمایا:

{وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾ فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّیَصۡلٰى سَعِیۡرًا ؕ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِیۡۤ اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنۡ لَّنۡ یَّحُوۡرَ ۚ﴿۱۴﴾}

''اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے تھمایا جائے گا' وہ تو موت کی خواہش کرے گا۔ (لیکن موت نہیں آئے گی) اور وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ یہ اپنے اہل و عیال میں بہت مسرور رہتا تھا' اور خیال کرتا تھا کہ اُس کو کبھی (اللہ کی طرف) لوٹنا نہ ہو گا۔''

غور لیجیے کہ جس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ وہاں اپنے اہل و عیال کے پاس خوش ہو کر آئے گا' جبکہ یہ شخص جس کو بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملا ہے یہ دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ عیاشیاں کرآیا ہے' اس لیے اب اس کے لیے جہنم ہے۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک!

سُورۃُ البرُوج

اگلا جوڑا سورۃ البروج اور سورۃ الطارق کا ہے۔ سورۃ البروج میں بدترین تعذیب وتشدد کا ایک تاریخی واقعہ ذکر کیا گیا ہے 'جس میں ایک مشرک بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ ان کا قصور بس یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔ سورۃ المؤمن میں بھی ہم نے مؤمن آل فرعون کا یہ قول پڑھا تھا: {اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ}(آیت ۲۸) ''کیا تم ایک شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے!''---- فرمایا:

{قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿ ۴ ﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿ ۵ ﴾ اِذْ ہُمْ عَلَیْہَا قُعُوْدٌ ۙ﴿ ۶ ﴾ وَّ ہُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُہُوْدٌ ؕ﴿ ۷ ﴾ وَ مَا نَقَمُوْا مِنْہُمْ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ﴿ ۸ ﴾ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ؕ﴿ ۹ ﴾ }

'' خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کردیے گئے۔ (یعنی) آگ (کی خندقیں) جن میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔ جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو (سختیاں) اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے اور ان مؤمنوں سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہ تھی کہ وہ

اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے ۔جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔''

سُورۃُ الطَّارِق

سورۃ الطارق کی ابتدا بھی قسموں سے ہو رہی ہے ۔ رات کو نمودار ہونے والے روشن تارے کی قسم کھا کر فرمایا:{اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾}’’کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان نہیں ہے !‘‘پھر انسان کو اس کی اپنی پیدائش پر غور کرنے کو کہا گیا ہے۔ فرمایا:

{فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَ التَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّہٗ عَلٰی رَجۡعِہٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ }

’’پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا ہوا ہے‘ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک اللہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔‘‘

آگے آسمان اور زمین کی قسم کھا کر قرآن مجید کی حقانیت کو بیان کیا جا رہا ہے ۔ فرمایا:

{وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿۱۱﴾ وَ الۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾ وَّ مَا ہُوَ بِالۡہَزۡلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّہُمۡ یَکِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ﴿۱۵﴾ وَّ اَکِیۡدُ کَیۡدًا ﴿۱۶﴾ فَمَہِّلِ الۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡہِلۡہُمۡ رُوَیۡدًا ﴿۱۷﴾ }

’’آسمان کی قسم جو بارش برساتا ہے‘ اور زمین کی قسم جو پھٹ جاتی (یعنی فصل اگاتی) ہے‘یقیناً یہ قرآن قولِ فیصل (حق کو باطل سے جدا کرنے والا بن کر نازل ہوا) ہے۔ اور یہ بے ہودہ بات نہیں۔ یہ لوگ اپنی چال چل رہے ہیں‘ اور میں بھی اپنی تدبیر کر رہا ہوں۔ تو (اے نبی ﷺ !) آپ ان کافروں کو بس چند روز کی مہلت دیں !‘‘

یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی رسی دراز کی ہوئی ہے‘لیکن اس کے بعد عنقریب یہ شکنجے میں کسے جانے والے ہیں۔فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ!

سُورَۃُ الاَعلٰی

سورۃ الاعلیٰ سے لے کر سورۂ الم نشرح تک ۸ سورتیں بنتی ہیں اور ان میں سے ہر دو جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں پہلا جوڑا سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کا ہے۔ ان کے بارے میں نوٹ کر لیجیے کہ نبی اکرم ﷺ بالعموم جمعہ اور عیدین کی نماز میں یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اب ظاہر بات ہے: فِعْلُ الْحَکِیم لاَ یَخْلُو عَنِ

الْحِکْمَۃ ''کسی دانا کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا'' کے مصداق حضور ﷺ کا یہ فعل بھی حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا ۔اس فعل کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں خطبہ ہوتا ہے جس کا مقصد تزکیہ ہے اور ان دونوں سورتوں میں بھی حضور اکرم ﷺ کو تزکیہ کا حکم دیا جارہا ہے ۔ اسی مناسبت سے آپ ﷺ ان سورتوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا کرتے تھے --- سورۃ کی ابتدا ہی میں فرمایا گیا :

{ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ۙ﴿ ۱ ﴾ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿ ۲ ﴾ وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَہَدٰی ۪ۙ﴿ ۳ ﴾ }

''(اے پیغمبر ﷺ !) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو' جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا' اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا پھر (اس کو) راستہ بتایا۔''

آگے آیات ۹ تا ۱۱ میں تذکیر کے حوالہ سے فرمایا گیا:{فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی ؕ﴿ ۹ ﴾ سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ﴿۱۰ ﴾ }''سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی اُمید) ہو نصیحت کرتے رہو۔ جو خوف رکھتا ہے وہ تو نصیحت پکڑے گا'' ----یہ اس شخص کی کیفیت کا ذکر ہے جس کے دل میں بنیادی طور پر ایمان موجود ہے لیکن اس پر کچھ حجاب سا آگیا ہے یا زنگ لگ گیا ہے 'جس کی وجہ سے کچھ بداعمال ہو رہے ہیں 'تو آپ ﷺ جب قرآن کے ذریعہ تذکیر فرمائیں گے تو وہ حجاب اور زنگ دور ہو جائے گا' جو غفلت طاری ہو گئی تھی وہ ہٹ جائے گی ---- آگے فرمایا: { وَیَتَجَنَّبُہَا الْاَشْقَی ﴿۱۱ ﴾ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ﴿۱۲ ﴾ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْہَا وَ لَا یَحْیٰی ﴿ ۱۳ ﴾ }''اور جو آپؐ کی

تذکیر سے روگردانی کرے گا تو وہ شقی اور بدبخت ہے 'جو (قیامت کے روز) بڑی تیز آگ میں ڈالا جائے گا ۔پھر وہاں نہ مرے گا نہ جیے گا۔''

سورۃ کے آخر میں فرمایا:{بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ﴿۱۶ ﴾ وَ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿ ۱۷ ﴾ }''مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو 'حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے''۔ بعینہٖ یہی مضمون سورۃ القیامہ میں بایں الفاظ آیا تھا: {کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ ﴿۲۰ ﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ﴿ ۲۱ ﴾ } ''مگر (لوگو) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کیے دیتے ہو۔''

سُورۃُ الْغَاشِیَۃ

سورۃ الغاشیہ میں سورۃ القیامہ والا تیز انداز اختیار کیا گیا ہے اور اس کی آیات ایسی مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی کو الگ کر کے آپ بیان نہیں کر سکتے --- سورۃ کی پہلی سات آیات میں جہنم ' اہل جہنم اور ان کی صفات کا تذکرہ

ہے۔ فرمایا گیا:

{ہَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ۘ﴿۱﴾ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾ تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ﴿۵﴾ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۙ﴿۶﴾ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾}

''کیا پہنچ چکی ہے تمہارے پاس اس ڈھانپ لینے والی کی بات! جس روز کچھ چہرے (والے) ذلیل ہوں گے، سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔ جو دہکتی آگ میں پھینکے جائیں گے، جہاں ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا، اور ان کے لیے کھانے کو بھی خاردار جھاڑ کے علاوہ اور کچھ نہ ہو گا۔ نہ تو اس سے کوئی طاقت ملے گی اور نہ ہی بھوک مٹے گی۔''

مذکورہ سات آیات میں تو اہل جہنم اور ان کے انجامِ بد کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ اگلی ۹ آیات میں اس کے مقابل اہل جنت اور ان کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

{وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾ لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۱۰﴾ لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً ؕ﴿۱۱﴾ فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ ۙ﴿۱۲﴾ فِيۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ ۙ﴿۱۴﴾

وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ۙ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِىُّ مَبۡثُوثَةٌ ؕ﴿۱۶﴾}

''اور بہت سے چہرے اُس روز تروتازہ اور اپنے اعمال (کی جزا) سے خوش دل ہوں گے، بہشت بریں میں۔ وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے، اور آب خورے (قرینے سے) رکھے ہوئے، اور گاؤ تکیے قطار کی قطار میں لگے ہوئے، اور نفیس مسندیں بچھی ہوئیں۔''

اگلی آیات میں اللہ ربّ العزت نے اپنی مخلوقات میں سے کچھ کی طرف اشارہ کرکے نبی اکرم ﷺ کو تذکیر و یاد دہانی کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا:

{اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ۙ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ ۙ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ ۙ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الۡاَرۡضِ كَيۡفَ سُطِحَتۡ ۙ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ؕ﴿۲۱﴾ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَۜيۡطِرٍ ۙ﴿۲۲﴾}

''یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹوں کو کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے۔ اور آسمان کو کہ کیسے اوپر بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو کہ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور زمین کو کہ کیسے پھیلا دی گئی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ تو بس نصیحت کرتے رہیں، اس لیے کہ آپ تو نصیحت کرنے والے ہی ہیں، اور ان پر داروغہ نہیں ہیں۔''

یعنی آپ ﷺ ان کے اوپر کوئی داروغہ نہیں ہیں کہ زردستی اُن کو ہدایت پر لے آئیں۔ دراصل یہ آپؐ

لی دلجوئی کی جا رہی ہے ‘اس لیے کہ جب آپؐ کو اپنی شب و روز کی محنت کا بظاہر کوئی نتیجہ نکلتا محسوس نہ ہوتا ہو گا تو آپؐ کی طبیعت پر بوجھ اور ملال ہوتا ہو گا‘ اسی لیے فرمایا گیا کہ بس آپ اپنا کام کرتے رہیں ‘تذکیر جاری رکھیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی انکار اور روگردانی کرے گا تو :{اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَہُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَہُمْ ﴿۲۶﴾ } ’’یقینا ان کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے ‘اور پھر ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے‘‘---- اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ دعائیہ الفاظ پڑھنے چاہئیں: اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا ’’پروردگار! ہم سے آسان حساب لینا!‘‘

سُورۃُ الفَجر

سورۃ الفجر اور سورۃ البلد ایک جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ الفجر کے آغاز میں کئی قسمیں ہیں۔ فرمایا:
{وَ الۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾ }

’’فجر کی قسم‘ اور دس راتوں کی ‘اور جفت اور طاق کی ‘اور رات کی جب جانے لگے۔ بے شک یہ چیزیں عقل مندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں۔‘‘

اقسام القرآن کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ یہ ایک مشکل معاملہ ہے ‘ لیکن بہرحال یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور حکمت قرآنی کا بہت اہم حصہ ہے --- ان قسموں کے بعد کچھ سابقہ اقوام (قومِ عاد‘ قومِ ثمود اور فرعون) کی سرکشی اور ان کے انجام کا مختصراً ذکر ہے کہ کس طرح ان پر عذاب نازل ہوا۔

آیت ۱۵‘۱۶ میں سورۃ الفجر کا اہم ترین مضمون بیان ہوا ہے جو حکمت قرآنی کے اعتبار سے معرفت کا ایک موتی ہے۔ شکوہ کے انداز میں کہا گیا ہے :

{فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىہُ رَبُّہٗ فَاَکۡرَمَہٗ وَ نَعَّمَہٗ ۙ فَیَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَکۡرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىہُ فَقَدَرَ عَلَیۡہِ رِزۡقَہٗ ۙ فَیَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَہَانَنِ ﴿۱۶﴾ }

’’بہرحال انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے‘ پھر اس کو عزت دیتا ہے اور نعمتیں بخشتا ہے تو (انسان) کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔ اور (دوسری طرف) جب آزما کر (فراوانی کی بجائے) ناپ تول کر دیتا ہے تو (انسان) کہتا ہے کہ میرے ربّ نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا۔‘‘

اگر دیکھا جائے تو بنیادی طور پر دونوں باتیں غلط نہیں ہیں ' اس لیے کہ وہ کشادگی اور تنگی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے' کسی دیوی دیوتا کی طرف منسوب کر کے شرک کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہے جسے قرآن نے ''ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيْدًا'' یعنی کھلی گمراہی قرار دیا ہے 'تو پھر شکوہ کیسا؟اس میں اصل نکتہ یہ ہے کہ انسان دراصل اس دنیا کی عزت کو عزت

اور ذلت کو ذلت سمجھ رہا ہے جبکہ یہ دونوں حالتیں امتحان اور آزمائش کی ہیں اور دونوں برابر ہیں۔ اس لیے کہ کبھی اللہ زیادہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی کم دے کر ----- اس آیت میں حکمت کی اگلی بات یہ ہے کہ تنگی اور فقر میں تو اللہ یاد رہتا ہے لیکن کشادگی اور آسائش میں اللہ کا خیال عموماً محو ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ زیادہ بڑا اور کڑا امتحان ہے۔

اس سورۃ کی آخری چار آیات بڑی عظیم آیات ہیں جنہیں ہر شخص کو حفظ کر لینا چاہیے اور اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں بھی اُن خوش نصیب لوگوں میں شامل فرما لے جن کے استقبال کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام ملے گا:

{يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾}

''اے اطمینان پانے والی روح !*اب تو لوٹ آاپنے رب کی طرف۔ اس

---

* قرآن مجید نے نفس کی تین کیفیات کو بیان کیا ہے: (۱) اگر انسان کے قلب کا رُخ یکسو ہو کر روح کی طرف ہو جائے تو قلب ایک آئینہ کی مانند ہو جائے گا' بایں معنی کہ روح کی ساری تجلیات اور انوارات ---- روح کا تعلق چونکہ امر ربی سے ہے اس لیے وہ ربانی تجلیات --- انسان کے پورے وجود میں سرایت کر جائیں گی اور پورا وجود منور ہو جائے گا۔ اس کیفیت کا نام ''نفس مُطْمَئِنَّہ'' ہے جس کے بارے میں سورۃ الفجر میں فرمایا گیا:{يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ }''اے اطمینان پانے والی روح ! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل' تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔''(۲) دوسری کیفیت یہ ہے کہ قلب کا رُخ مکمل طور پر نفس امارہ کی طرف ہو جائے تو نفس امارہ کی ساری تاریکیاں انسان کے وجود میں منعکس ہو جائیں گی اور سارا جسم خراب ہو جائے گا۔ یہ

وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا:{اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ}(یوسف:۵۳)''بے شک نفس انسان کو برائی پر ہی اُکساتا رہتا ہے۔''(۳) اس کے علاوہ ایک کیفیت یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا قلب ڈانواں ڈول رہتا ہے'یعنی اگر کوئی اچھا کام کیا تو اندر سے شاباش ملتی ہے کہ تم نے ٹھیک کیا ہے اور اگر کوئی برا کام کیا تو روح ملامت کرتی ہے۔اس کو ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں اور اس کیفیت کو سورۃالتوبہ میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے: {خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا}(آیت ۱۰۲)''(کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں) جو خلط ملط کر لیتے ہیں اچھے کاموں کے ساتھ دوسرے برے کام بھی۔'' (ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب سے ماخوذ)

حال میں کہ تو اپنے رب سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا!''

اللہ کے ممتاز بندوں کی تفصیل سورۃ النساء میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہے: {وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾}''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا (یعنی) انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے'' ----اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

سُورۃُ البَلَد

سورۃ الفجر کی طرح سورۃ البلد کی ابتدا بھی مختلف قسموں سے ہو رہی ہے --- اقسام القرآن کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مشکلات القرآن میں سے ہیں اور حکمت قرآنی کا ایک اہم موضوع ہیں -- ارشاد ہوا:

{لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾}

''قسم ہے اس شہر (مکہ) کی'اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو اس شہر میں (ایذا رسانی کے لیے) حلال کر لیا گیا ہے۔ اور باپ (یعنی آدم علیہ السلام) اور اس کی اولاد کی قسم کہ ہم نے انسان کو مشقت (کی حالت) میں (رہنے والا) پیدا کیا ہے۔''

دنیا کے رنج و غم اور شدائد و مسائل ہر انسان کا مقدر ہیں‘ کوئی اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ کسی کو ذہنی کوفت زیادہ ہے تو کسی کے لیے جسمانی مشقت۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بڑی آسائش میں ہے ‘ایئرکنڈیشنڈ کمروں میں مخملیں گدوں پر براجمان ہے ‘لیکن چین اس کو بھی نصیب نہیں ہے‘ نیند اسے بھی نہیں آرہی‘ وہ بھی پیچ وتاب کھا رہا ہے ۔ الغرض انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا ہے۔

سورۃ الفجر میں بھی انسانوں سے ایک شکوہ کیا گیا تھا اور اس سورۃ میں بھی ایک بات

شکوے کے سے انداز میں کہی گئی ہے کہ انسان کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے کہ ہم نے اس پر اتنے بڑے احسان کیے ---{اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ۚ﴿۱۰﴾} ’’کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں‘ ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے نہیں دکھا دیے؟‘‘ --- مگر اس کی بدقسمتی کا عالم یہ ہے:

{فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَۃَ ۫﴿۱۱﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡعَقَبَۃُ ؕ﴿۱۲﴾ فَکُّ رَقَبَۃٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ ۙ﴿۱۴﴾ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۱۸﴾}

’’پس یہ گھاٹی کو عبور نہ کر سکا ۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی غلام کی گردن آزاد کرا دینا یا کسی قحط کے دن کھانا کھلا دینا ‘اُس یتیم کو جو قرابت دار اور رشتہ دار بھی ہے ‘یا اُس مسکین کو جو خاک نشین ہے۔ (معلوم ہوا کہ مال کی محبت آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے اور گاڑی کو بریک لگا دیتی ہے۔) اور پھر شامل ہو ان لوگوں میں جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے پر صبر اور رحم کرنے کی وصیت کی (یہ الفاظ سورۃ العصر کے مشابہ ہیں) ۔یہی لوگ صاحب سعادت ہیں۔‘‘

سُورۃُ الشَّمۡس

سورۃ الشمس سے سورۂ الم نشرح تک‘ ان چار سورتوں کو میں ’’چہار سورۂ نور و ظلمت‘‘ کا نام دیتا ہوں ‘اس لیے کہ ان سورتوں کے آغاز میں رات اور دن یعنی تاریکی اور روشنی کی قسمیں کھائی گئی ہیں -- سورۃ الشمس میں فرمایا:{ وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰىہَا ۪﴿۱﴾ وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۪﴿۲﴾ وَ النَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪﴿۳﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىہَا ۪﴿۴﴾

}''سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی ‘اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے ‘اور دن کی جب اسے چمکا دے ‘ اور رات کی جب اسے چھپا لے''۔سورۃ اللیل میں فرمایا:{وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَ النَّہَارِ

اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾}''رات کی قسم جب (دن کو) چھپا لے اور دن کی قسم جب چمک اُٹھے''۔ سورۃ الضحیٰ میں فرمایا: {وَ الضُّحٰی ۙ﴿ ۱ ﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿ ۲ ﴾ }''آفتاب کی روشنی کی قسم ‘اور رات (کی تاریکی) کی جب چھا جائے''---سورئہ الم نشرح میں اگرچہ یہ قسمیں موجود نہیں ہیں مگر وہ سورۃ الضحیٰ کا تسلسل ہے ‘اس لیے میں اس کو بھی ان میں شامل کرتا ہوں۔

ان قسموں کے بعد جو مقسم علیہ ہے یعنی جس پر قسم کھائی جا رہی ہے اس میں ایک بڑا تدریجی ارتقاء ہے۔ پہلی سورت یعنی سورۃ الشمس میں ان قسموں کے بعد یہ مضمون آیا ہے: {وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا ۙ﴿ ۷ ﴾ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا ۙ﴿ ۸ ﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا ۙ﴿ ۹ ﴾ وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا ﴿ؕ ۱۰ ﴾ }''اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا‘ پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کی سمجھ عطا کی۔ تو کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا ‘اور ناکام ہوا وہ جس نے اس کو خاک میں ملا دیا''۔یعنی جس کا روحانی عنصر اس کے زمینی عنصر کے تحت دب گیا تو وہ ناکام و نامراد ہوا۔

سُورۃُ الَّیل

سورۃ الیل میں تزکیہ کا مضمون تفصیل سے آ رہا ہے کہ تزکیہ ‘نیکی اور فلاح کا راستہ کون سا ہے اور دوسری طرف ناکامی اور ہلاکت کا راستہ کون سا ہے؟ اس سورۃ میں بتایا گیا کہ تین اوصاف ایسے ہیں جو کامیابی اور فلاح کی طرف لے جانے والے ہیں‘ان میںپہلا عطا و سخاوت ‘دوسرا تقویٰ اور تیسرا حق بات کی تصدیق ہے۔ یہ تینوں اوصاف منزل کو آسان بنانے والے اور انسان کو جنت تک پہنچانے والے ہیں ۔اس کے برعکس تین اوصاف ایسے ہیں جو انسان کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جانے والے ہیں ‘وہ ہیں :بخل‘ سرکشی اور سچائی کو جھٹلانا۔ اس حوالے سے متعلقہ آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

{وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿ ۱ ﴾ وَ النَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿ ۲ ﴾ وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿ ۳ ﴾ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿ ۴ ﴾ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی ۙ﴿ ۵ ﴾ وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿ ۶ ﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿ ۷ ﴾ وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿ ۸ ﴾ وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿ ۹ ﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ﴿ؕ ۱۰ ﴾ }

''رات کی قسم جب (دن کو) چھپالے ‘اور دن کی قسم جب چمک اٹھے ‘اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا‘ درحقیقت تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔ تو جس نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی ‘اور نیک بات کو سچ جانا ‘اس کو ہم رفتہ رفتہ آسان منزل (جنت) تک پہنچا دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا ‘اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا ‘تو اس کو ہم رفتہ رفتہ مشکل منزل (جہنم) تک پہنچا دیں گے۔''

سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا:

{وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ﴿۱۸﴾ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿۲۱﴾}

''اور جہنم سے بچا لیا جائے گا جو بہت متقی ہے ‘جو اپنا مال دیتا ہے تزکیہ کے حصول کے لیے ‘اور اس لیے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اتار رہا ہے ‘بلکہ اپنے بلند مرتبہ مالک کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔''

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں‘ اس لیے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ شان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں نمایاں ہے۔ امام رازی نے تو اس سورۃ کو حضرت ابوبکرؓ کی سورۃ قرار دیا ہے اور اگلی سورت ''الضحیٰ''کو محمد رسول اللہ ﷺ کی سورۃ قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ سورۃ الضحیٰ میں یہ مضمون اُس انتہائی مقام کو پہنچ گیا ہے جس پر حضور ﷺ کی ذات مبارک فائز ہے۔

ان آیات میں بیان ہوا ہے کہ یہ شخص بغیر کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے‘ صرف اللہ کی رضاجوئی کے لیے مال خرچ کرتا ہے --- یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بعینہٖ صادق آتی ہے۔ مثلاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان نہیں تھا‘ مگر آپؓ نے ایک خطیر رقم خرچ کر کے ان کو صرف اپنے پروردگار کی رضاجوئی کی خاطر آزاد کرایا تھا۔

سُورۃُ الضُّحیٰ

اگلی دو سورتوں یعنی سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الم نشرح سے عام طور پر مسلمانوں کو ایک خاص قلبی لگاؤ ہے ‘اس لیے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی اپنے پیغمبر محمد ﷺ سے راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں بھی ہماری رہنمائی کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرآن مجید میں ثبت کر دی گئی ہیں۔ سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں ‘آپ کا رب آپ کا ساتھ چھوڑنے والا نہیں ہے۔ فرمایا:

{ وَ الضُّحٰی ۙ﴿ ۱ ﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿ ۲ ﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿ ۳ ﴾ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿ ۴ ﴾ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿ ۵ ﴾ }

’’گواہ ہے دن جب وہ روشن ہو جائے ‘اور رات جب وہ تاریک ہو جائے ‘کہ آپ ؐ کے رب نے نہ آپؐ سے تعلق منقطع کیا ہے اور نہ ہی آپؐ سے ناراض ہے۔ اور ہر آنے والی ساعت آپ ؐ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے (یعنی آپؐ کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں)۔ اور آپؐ کا رب آپؐ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپ ؐ راضی ہو جائیں گے۔‘‘

یہاں یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ سورۃ الیل کی آخری آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ’’وَلَسَوْفَ یَرْضٰی‘‘ یعنی غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ نبی نہیں ہیں اور ان سے براہِ راست خطاب نہیں ہے‘ جبکہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ آپ سے براہِ راست مخاطب ہے‘ اس لیے آپ کے لیے زیر مطالعہ سورۃ میں ’’فَتَرْضٰی‘‘ یعنی حاضر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

اگلی آیات میں ربّ العالمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین ﷺ پر ہونے والے انعامات کو اشارتاً بیان کرکے سورۃ کے آخر میں آپ ﷺ کو ان انعامات کے بیان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

{اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿ ۶ ﴾ وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی ۪﴿ ۷ ﴾ وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا

فَاَغۡنٰی ؕ﴿ ۸ ﴾ فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡہَرۡ ؕ﴿ ۹ ﴾ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡہَرۡ ﴿ ۱۰ ﴾ وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ﴿ ۱۱ ﴾ }

’’کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا اور پھر آپؐ کی پوری پرورش کا بندوبست کیا؟ اور آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو آپ کو سیدھا راستہ دکھایا (یعنی پردے ہٹا کر آپؐ کو حقائق کا مشاہدہ کرا دیا)۔ اور آپؐ کو تنگدست پایا تو (دُنیوی اعتبار سے آپؐ کے لیے) غنی کا سامان کر دیا۔ تو اب آپ بھی کبھی یتیم پر جبر نہ کیجیے گا ‘اور نہ کسی مانگنے والے کو جھڑکیے گا۔ اور اپنے رب کی نعمتوں کا اعلان کرتے رہیے گا۔‘‘

سُورۃُ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ

سورۃ الضحیٰ میں شروع ہونے والا مضمون تسلسل کے ساتھ زیر مطالعہ سورۃ میں بھی اس طرح جاری ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا یہ ایک ہی سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت بھی آتی ہے کہ آپؓ بغیر بسم اللہ پڑھے دونوں سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔

سورۃ کے شروع میں وہی انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ جاری ہے ۔ فرمایا:{اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ }''(اے محمد ﷺ !) کیا ہم نے آپ کے سینہ کو آپ کے لیے کھول نہیں دیا؟اور آپ کی کمر سے وہ بوجھ اتار دیا جو آپ کی کمر کو دوہرا کیے جا رہا تھا۔''

یہ گویا بڑی نجی سطح پر راز ونیاز کی باتیں ہیں۔ ان کیفیات پر صوفیاء نے بحث کی ہے۔ صوفیاء کی دو اصطلاحات ہیں: (۱)قبض اور (۲) بسط۔ طبیعت میں اگر کہیں قبض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو ان دونوں سورتوں میں بسط کی طرف لانے کی تاثیر ہے۔

سورۃ الضحیٰ کے آخر میں حضور اکرم ﷺ کو انعاماتِ الٰہیہ کے بیان کا حکم دیا گیا تھا جبکہ اس سورۃ کے آخر میں آپؐ کو عبادت کرنے اور پروردگار کی طرف متوجہ ہونے کا حکم

دیا گیا ہے۔ فرمایا: {فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ٪﴿۸﴾ }''پس جب بھی آپ (دعوت و فرائض نبوت کی ادائیگی سے) فارغ ہوں تو فوراً اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جائیں (کمر کس لیں) اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔''

سُورۃُ التِّین

سورۃ التین سے سورۃ الناس تک بیس سورتیں ہیں ' جن میں سے اکثر بہت چھوٹی ہیں۔ ان کے بارے میں مختصراً ہی کچھ ذکر کیا جائے گا۔ البتہ تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سورتوں کو حفظ کریں اور ان کے ترجمہ کو بھی یاد کریں۔ سورۃ التین کے آغاز میں فرمایا:

{وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾ وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫﴿۴﴾ }

''انجیر اور زیتون کی قسم ' اور طور سینین کی قسم ' اور اس امن والے شہر کی قسم ' کہ ہم نے انسان کو

بہترین ساخت پر پیدا کیا۔''
جس بات پر قسمیں کھائی گئی ہیں--{لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۪﴿ ۴ ﴾} --وہ عام طور پر ہمارے جمعہ کے خطبوں کا موضوع ہے۔ اس میں اشارہ ہے روحِ انسانی کی جانب جو امر ربی ہونے کے اعتبار سے بلند ترین درجے پر ہے -- آگے فرمایا: {ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ﴿ ۵ ﴾} ''پھر اس کو (بدل کر) پست سے پست کر دیا''۔ اس آیت میں انسان کے حیوانی وجود کی طرف اشارہ ہے جو نچلوں میں سب سے نچلا درجہ ہے' جس کو اپنا اصل مقام حاصل کرنے کے لیے محنت و مشقت اور مجاہدہ کرنا ہو گا ' اپنے حیوانی نفس کے خلاف تزکیہ کرنا ہوگا' پھر جا کر ''احسن تقویم'' والا درجہ دوبارہ حاصل ہوگا۔ اس کے بارے میں فرمایا: {اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿ ۶ ﴾} ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔''

سُورۃُ العَلَق

سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ ''تقریباً'' کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا کہ ایک روایت ایسی ملتی ہے جس میں سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات کو پہلی وحی بتایا گیا ہے ---- اس بارے میں نوٹ کر لیں کہ پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ (تین سال) تک وحی کا سلسلہ رک گیا تھا جسے "فترۃ الوحی" کا زمانہ کہا جاتا ہے ۔ تمام مفسرین اور محققین کا اس پر اجماع ہے کہ سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات فترۃ الوحی کے بعد نازل ہونے والی پہلی وحی ہے' جبکہ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات علی الاطلاق پہلی وحی ہے۔ آغاز میں فرمایا:

{اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿ ۱ ﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿ ۲ ﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿ ۳ ﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿ ۴ ﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿ ۵ ﴾ }

''(اے محمد ﷺ !) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے (تمام عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو پیدا کیا اُس جونک کی طرح کی چیز سے جو رحم مادر میں چمٹ گئی تھی۔ پڑھو ! اور تمہارا رب بہت کریم ہے 'جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے سے' اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان آیات میں صرف ایک حکم "اِقْرَاْ" ہے' جبکہ سورۃ المدثر میں تبلیغ کا حکم آیا

ہے --فرمایا:{یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪﴿۳﴾ }''اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے ! اٹھو اور خبردار کرو' اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو''----چنانچہ اس ضمن میں بعض محققین نے یہ رائے قائم کی ہے اور مجھے اس سے اتفاق ہے کہ سورۃ العلق سے حضور ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوا ہے جبکہ سورۃ المدثر سے آپ ﷺ کی رسالت کا آغاز ہوا ہے۔

سورۂ مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات کے بعد کی آیات حکمت قرآنی کا بڑا خزانہ ہیں'

جن میں فرمایا گیا: {كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ؕ﴿۷﴾ }''ہرگز نہیں ! انسان سرکش ہو جاتا ہے جبکہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے''۔ انسان جب اپنے آپ کو آزاد دیکھتا ہے بایں طور کہ جو بداعمالیاں یہ کرتا ہے اس کا کوئی نتیجہ اس کے سامنے نہیں آتا تو اس کے اندر اپنی حدود سے تجاوز کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو یہ بتادیا جائے کہ : {اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ؕ﴿۸﴾ } ''کچھ شک نہیں کہ اس کو تمہارے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے''---- ایک روز اس کو ضرور اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے اور اس کی برائیوں اور گمراہیوں کے جو نتائج اس دنیا میں اس کے سامنے نہیں آرہے وہ وہاں ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اس یقین کے ساتھ یہ سیدھا ہو جائے گا 'اور اگر اس پر یقین نہیں کرتا تو پھر اس کو درست کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

آگے ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ ابوجہل نے دو مرتبہ حضور اکرم ﷺ پر دست درازی کی کوشش کی تھی اور نماز سے روکا تھا۔ آیت ۹ تا ۱۶ میں اس واقعہ کی جزئیات کو بیان کیا گیا ہے اور اگلی دو آیات میں تو بڑے عجیب' پررُعب اور چیلنج کے سے انداز میں کہا جا رہا ہے : {فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ ۙ﴿۱۸﴾ }''تو وہ بلا لے اپنے ساتھیوں کو' ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔''

آخری آیت ''آیت سجدہ'' ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے : {كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ }''(اے محمد ﷺ !) آپ ان کی باتوں کسے کوئی اثر قبول نہ فرمائیں۔ اپنے ربّ کے لیے سجدہ کریں اور اس سے قریب تر ہو جائیں''۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :((اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ)) (رواہ مسلم) ''بندہ اپنے رب سے قریب ترین سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے'' -- اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ انانیت اور تکبر نفس کی کلی نفی کرتا ہے جبکہ یہی تکبر نفس ہی بندے اور رب کے مابین سب سے بڑا حجاب ہے۔

سُورۃُ القَدْر

سورۃ القدر میں ''لیلۃ القدر'' کا ذکر آیا ہے' جو ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے' اور یہ ایک ہزار مہینوں (تقریباً ۸۳ سال) سے افضل ہے۔ فرمایا:

{اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ }

''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے' اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کو جاگ کر بسر کرو اور اس کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ روایات میں آتا ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو نہ صرف آپ ﷺ اپنی کمر کس لیتے بلکہ گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا یہ معمول نہ تھا کہ گھر والوں کو تہجد کے لیے بیدار کیا جائے۔ اس لیے کہ رات کی نماز نفل ہے وہ کوئی خود اپنی مرضی سے پڑھنا چاہے' لیکن رمضان کا آخری عشرہ اس سے مستثنیٰ ہے ۔ اس عشرہ کی طاق راتوں میں جاگ کر لیلۃ القدر کو تلاش کرنا بہت فضیلت کا باعث ہے۔ اس رات میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ حضرت جبرئیل ؑ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہر اُس شخص کے لیے خصوصی رحمت لے کر آتے ہیں جو اس رات میں اپنے رب سے راز و نیاز کر رہا ہو۔ تسبیح و تحمید' توبہ و استغفار اور عبادت میں مصروف ہو۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ اگر مجھے لیلۃ القدر کی ساعت نصیب ہو جائے تو میں اپنے رب سے کیا دعا کروں ؟تو آپ ؐ نے یہ دعا تلقین فرمائی: ((اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ))(رواہ الترمذی) ''پروردگار! تو بہت معاف فرمانے والا' کرم کرنے والا ہے' اور معاف کرنا تجھے بہت پسند ہے' لہٰذا مجھے بھی معاف فرما دے!''

سُورَۃُ الْبَیِّنَۃ

سورۃ البینہ کا ابتدائی مضمون بہت اہم ہے۔ مشرکین ِعرب اور اہل ِکتاب یعنی یہود و نصاریٰ جو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف شہروں میں آباد تھے‘ حضور اکرم ﷺ کے اوّلین مخاطب تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے:

{لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَہُمُ الْبَیِّنَۃُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ﴿۲﴾ فِیْہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ﴿۳﴾ }

’’کافر اہل کتاب اور مشرکین (گمراہی کے جس راستے پر چل رہے تھے اس سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ (روشن دلیل) نہ آجاتی۔(یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے‘ جن میں بالکل درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں۔‘‘

اس لحاظ سے نبی اکرم ﷺ اور قرآن حکیم مل کر ’’بیِّنہ‘‘ بن جاتے ہیں۔

اس سورۃ کی آیت ۵ اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے بایں طور کہ اس میں دین کا لب لباب بیان ہوا ہے۔ فرمایا:

{وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ﴿۵﴾ }

’’ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہی کہ اللہ کی بندگی کریں اُسی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے‘ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں‘ اور یہی دین ِقیم (صحیح‘ درست اور مضبوط دین) ہے۔‘‘

اس آیت میں ’’بندگی‘‘ کے مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ بندگی یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ کی ایسی اطاعت کرے جس میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو اور پھر اس اطاعت کے اظہار کے لیے اسلام کے جملہ ارکان پر بھی عمل پیرا ہوا جائے------ اس آیت میں اسلام کے بنیادی ارکان میں سے دو اہم ارکان نماز اور زکوٰۃ

کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی آخری آیت میں اہل ِجنت کا ذکر بڑے خوبصورت پیرائے میں کیا گیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: {خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ}’’یعنی ’’اہل ِایمان جنت میں اس حال میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے کہ وہ اپنے پروردگار سے راضی اور پروردگار ان سے راضی۔ (سبحان اللہ!) ---- اسی سے ملتے جلتے الفاظ سورۃ الفجر کے آخر میں بھی آئے ہیں ‘جہاں فرمایا گیا: {یٰٓاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ﴿۲۸﴾ }’’اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل (اس حال میں کہ) تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔‘‘

سُورَۃُ الزِّلۡزَال

سورۃ الزلزال سے سورۃ التکاثُر تک چار سورتوں کا ایک گروپ ہے جس میں قیامت کا تذکرہ بہت زوردار اور جھنجھوڑنے والے انداز میں کیا گیا ہے ------ یہاںیہ بھی واضح رہے کہ قرآن حکیم کی آخری ۱۶ سورتوں میں سے ہر ایک سورت کا مضمون ایسی مربوط شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ کسی ایک آیت کو الگ کر کے بیان نہیں کیاجاسکتا ۔ اس لیے یہاں ان سورتوں کا مکمل ترجمہ بیان کیاجارہا ہے تاکہ بات پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

سورۃ الزلزال میں زمین کی تباہی کو موضوع بنایا گیا اور بیان کیا گیا کہ روزِ قیامت زمین اپنی تمام خبروں کو بیان کردے گی اور انسان اپنے تمام اعمال بچشم سر خود دیکھ لے گا۔ ارشاد ہوا:

{اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَہَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَہَا ۚ﴿۳﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَہَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَہَا ؕ﴿۵﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ ؕ﴿۶﴾ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ٪﴿۸﴾ }

’’جب یہ زمین بڑی شدت سے جھنجھوڑ دی جائے گی ‘اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی (یعنی وہ تمام انسان جو اُس کے پیٹ میں ہوں گے‘ انہیں باہر اُگل دے گی) اورانسان حیران و ششدر ہو کر کہے گا: اسے کیا ہوا؟ اس روز یہ زمین خود اپنی خبریں بتائے گی (کہ میری پیٹھ پر چلتے ہوئے ان لوگوں نے کیا کیا کرتوت کیے ہیں) کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا ہو گا۔ اُس دن لوگ الگ الگ گروہ بن کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ تو جس کسی نے ذرّہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا‘ اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔‘‘*

سُورَۃُ العٰدِیٰت

یہ اس گروپ کی دوسری سورۃ ہے۔ اس کا آغاز چند قسموں سے ہو رہا ہے --- میں عرض کر چکا ہوں کہ اس انداز کی پانچ سورتیں ہیں: الصّافّات‘ الذّاریات‘ المُرسلات‘ النّازعات اور العادیات ۔ ا ن سب کا آغاز مختلف قسموں سے ہو رہا ہے اور اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ پانچوں سورتیں مماثل ہیں۔

سورۃ العادیات میں گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے --- گھوڑوں کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑے اپنے مالک کے فرمانبردار ہوتے ہیںاور مالک کے حکم کی تعمیل میں اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے۔چنانچہ گھوڑوں کے پائوں اگرچہ زخمی بھی ہوں تب بھی وہ اپنے

---

* سورۃ الزلزال کی آخری دو آیات کے حوالے سے ابن ابی حاتم نے ایک روایت نقل کی ہے ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات {فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝ ۷ ۝ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝ ۸ ۝ } نازل ہوئیںتو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! کیا میں اپنا عمل دیکھنے والا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں‘‘۔ میں نے عرض کیا : یہ بڑے بڑے گناہ بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ’’ہاں‘‘۔میں نے عرض کیا اور یہ چھوٹے موٹے گناہ؟ آپؐ نے فرمایا: ’’ہاں‘ یہ بھی‘‘۔ اس پر میں نے کہا: پھر تو میں مارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’خوش ہو جائو اے ابو سعید ! ہر نیکی اپنے جیسی دس نیکیوں کے برابر ہو گی۔‘‘ (اضافہ از مرتب‘ بحوالہ تفہیم القرآن)

مالک کے حکم پر اس قدر تیزی سے دوڑ رہے ہوتے ہیں کہ دشمنوں کی صفوں کو چیرتے چلے جاتے ہیں اور پیٹھ نہیں پھیرتے --- اس سورۃ میں گھوڑوں کی قسم کھا کر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ حیوانات کتنے سمجھ دار اور اپنے مالک کے وفادار ہیں‘ لیکن انسانوں میں تو حیوانوں جیسی وفا بھی نہیں ہے‘ بایں طور کہ انسان تو اللہ کے احکام سے سرتابی کرتا ہے جو اس کا خالق‘ مالک اور رازق ہے۔ اس ضمن میں فرمایا:

{وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝ ۱ ۝ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝ ۲ ۝ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝ ۳ ۝ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ۝ ۴ ۝ فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا ۝ ۵ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ ۝ ۶ ۝ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیْدٌ ۝ ۷ ۝ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝ ۸ ۝ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝ ۹ ۝ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۝ ۱۰ ۝ اِنَّ رَبَّہُمْ بِہِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ۝ ۱۱ ۝ }

’’ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم ---جو ہانپ اٹھتے ہیں* ۔ پھر پتھروں پر (نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں۔ پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ گرد اٹھاتے ہیں۔ پھر اس وقت (دشمن کی) فوج میں جا

کھستے ہیں ---کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس ہے۔ اور وہ یقینا اس بات پر خود گواہ ہے۔ اور وہ یقینا مال سے شدید محبت کرنے والا ہے۔کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب کہ جو (مردے) قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لیے جائیں گے۔ اور جو (بھید) دلوں میں ہیں وہ ظاہر کر دیے جائیں گے ۔بے شک ان کا پروردگار اس روز ان سے خوب واقف ہو گا۔''

سُورۃُ الْقَارِعَۃ

سورۃ القارعہ کا انداز بعینہٖ سورۃ الحاقہ ّوالا ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا : {اَلْحَآقَّۃُ ۙ﴿ ۱ ﴾ مَا الْحَآقَّۃُ ۚ﴿ ۲ ﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْحَآقَّۃُ ؕ﴿ ۳ ﴾ }جبکہ یہاں فرمایا گیا : {اَلْقَارِعَۃُ ۙ﴿ ۱ ﴾ مَا الْقَارِعَۃُ ۚ﴿ ۲ ﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْقَارِعَۃُ ؕ﴿ ۳ ﴾ } یعنی اس سورہ میں قیامت کو کھڑکھڑانے والی

---

* ضَبْح کہتے ہیں اس خاص آواز کو جو دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی شدتِ تنفس(یعنی زور سے سانس لینے کی وجہ) سے نکلتی ہے۔یہ آواز گھوڑوں کے سوا کسی اور کے جانور کے منہ سے نہیں نکلتی۔ (مرتب)

سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس مختصر سی سورت میں قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس کے قائم ہونے سے لے کر عذاب و ثواب کے آخری مرحلے تک پورے عالمِ آخرت کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا :

{اَلْقَارِعَۃُ ۙ﴿ ۱ ﴾ مَا الْقَارِعَۃُ ۚ﴿ ۲ ﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْقَارِعَۃُ ؕ﴿ ۳ ﴾ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿ ۴ ﴾ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِہْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿ ۵ ﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ ۙ﴿ ۶ ﴾ فَہُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ﴿ ۷ ﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ ۙ﴿ ۸ ﴾ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ؕ﴿ ۹ ﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا ہِیَہْ ؕ﴿ ۱۰ ﴾ نَارٌ حَامِیَۃٌ ۢ﴿ ۱۱ ﴾ }

''کھڑکھڑانے والی ! کیا ہے کھڑکھڑانے والی ؟ اور تمہیں کیا پتا کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ (وہ قیامت ہے) جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے' اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی روئی کی طرح ہوجائیں

گے۔ تو جس (کی نیکی) کا پلڑا بھاری ہوگا وہ (ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں) دل پسند عیش میں رہے گا ' اور جس (کی نیکی) کا پلڑا ہلکا ہو گا ' اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھو کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ آگ ہے دہکتی ہوئی ! ''

سُورۃُ التَّکاثُر

سورۃ الزلزال سے شروع ہونے والے چار سورتوں کے گروپ کی یہ آخری سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں لوگوں کے مال و دولت اور جاہ و اقتدار میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے ' ان پر فخر کرنے اور دنیا پرستی میں غرق ہو جانے کے بُرے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

{اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ٪﴿۸﴾ }

''(لوگو ! مال کی) بہتات کی طلب تمہیں غافل کیے رہتی ہے ' یہاں تک کہ تم

قبروں تک جا پہنچتے ہو۔ ہرگز نہیں ' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ۔ پھر (سن لو کہ) ہرگز نہیں ' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ۔ ہرگز نہیں ' اگر تم یقینی علم کے ساتھ جانتے (تو غفلت میں نہ پڑتے) ۔ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے ۔ پھر اس کو ضرور دیکھو گے یقین کی آنکھ سے۔ پھر ضرور اس روز تم سے (تمہیں دی ہوئی) نعمتوں کا حساب مانگا جائے گا۔ ''

سُورۃُ الۡعَصۡر

سورۃ العصر کی اہمیت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے : لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ ''اگر لوگ صرف اس سورت پر ہی تدبر کر لیں تو یہ (ان کی ہدایت ورہنمائی) کے لیے کافی ہو جائے گی''۔ امام شافعی کا دوسرا قول ہے : لَوْ لَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْآنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسَ ''اگر قرآن مجید میں سوائے اس سورۃ کے اور

کچھ نہبھی اُترتا تو یہ سورۃ ہی لوگوں کے لیے کفایت کر جاتی'' ---اس اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اس مختصر سی سورۃ میں پورے قرآن مجید کا خلاصہ موجود ہے۔

سورۃ العصر اگرچہ قرآن حکیم کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے مگر اس میں معانی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے جس کو بیان کرنے کا حق ایک پوری کتاب میں بھی مشکل سے ادا کیا جا سکتا ہے --- ''مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' جو میں نے ترتیب دیا ہے اس کا نقطہ آغاز ''لوازمِ نجات : سورۃ العصر کی روشنی میں'' کے عنوان سے اس سورۃ کو بنایا ہے ---اس سورۃ مبارکہ میں خسارے سے بچنے کی چار لازمی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوا:

{وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ٪﴿۳﴾}

''زمانہ کی قسم' یقیناً تمام انسان گھاٹے اور خسارہ میں ہیں' سوائے ان کے جو: (۱) ایمان لائے' (۲) نیک عمل کیے' (۳) ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی' اور (۴) باہم ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی۔''

اس سورہ میں بالکل دو ٹوک انداز میں بیان کر دیا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا راستہ کون سا ہے اور تباہی و بربادی کا راستہ کون سا ہے۔

سُورۃُ الھُمَزَۃ

سورۃ الہمزہ میں انسان کی سیرت و کردار کی پستی بیان ہوئی ہے۔ جیسے مکھی گندگی پر ہی بیٹھتی ہے ایسے ہی کچھ لوگ بڑے تنگ ظرف ہوتے ہیں اور ان کا کام صرف چغلیاں کھانا اور لوگوں کو طعنے دینا ہوتا ہے۔ ایسے انسان لوگوں کے دل دکھا کر بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے لوگ مال جمع کرتے ہیں' اس کو گنتے رہتے ہیں اور اس میں اضافہ سے ان کو خوشی اور سکون ملتا ہے۔ ایسے لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبر زیر مطالعہ سورت میں بڑی خوبصورتی سے دی جا رہی ہے۔ فرمایا:

{وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۙ﴿۲﴾ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۚ﴿۳﴾ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ۚ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ ۙ﴿۸﴾ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ٪﴿۹﴾}

''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا ۔وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو دوام عطا کر دے گا۔ ہرگز نہیں' بلکہ وہ 'حطمہ' میں جھونک دیا جائے گا ۔اور جانتے ہو کہ وہ 'حطمہ' کیا ہے؟ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے' جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ ان پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (اس حال میں کہ وہ) اونچے اونچے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے' جیسے تندور کو اگر ڈھانپ دیا جائے تو اس کی آگ اندر ہی اندر جوش کھاتی رہتی ہے)۔''

سُورۃُ الفِیل

سورۃ الفیل اور سورۃ القریش ایک جوڑا ہے اور ان کا آپس میں خاص تعلق ہے۔

سورۃ الفیل میں ایک تاریخی واقعہ ''واقعہ اصحاب الفیل'' * کا ذکر ہے ۔ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے ابرہہ کی جو فوج آئی تھی اور پھر اس کا جو حشر ہوا' اسے جامع الفاظ میں اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

{اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۪﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ٪﴿۵﴾}

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا اس نے ان کی چال کو ناکام نہیں بنا کر رکھ دیا ؟اور ان پر پرندوں کے ُجھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے 'جو ان پر پکی ہوئی مٹی کی کنکریاں مار رہے تھے۔ پھر ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا کر رکھ دیا۔''

اس سورۃ کی آیت ۴ میں ''سِجِّیل'' کا لفظ ہے جو فارسی کے لفظ ''سنگ ِگل'' سے بنا ہے اور اس سے مراد وہ مٹی ہے جو پک کر پختہ ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ سخت قسم کے سنگ ریزوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

سُورۃُ القُرَیش

سورۃ القریش میں قریش پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے خاص احسان کو بیان کیا گیا ہے جو صرف بیت اللہ کی بدولت ان پر ہوا۔ وہ احسان یہ تھا کہ یہ لوگ بلاخوف و خطر بغرضِ تجارت گرمیوں میں شام و فلسطین کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے۔ یہ لوگ بیت اللہ کے متولی تھے اور بیت اللہ کی عظمت کی وجہ سے عرب کے

---

* یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور تفہیم القرآن میں اس کی تفصیل اور اس کے پس منظر کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کی ایک خاص بات تو ابرہہ اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب کا مکالمہ ہے، جبکہ دوسری خاص بات جناب عبدالمطلب کی وہ خاص دعا ہے جو انہوں نے اس موقع پر کعبہ کے دروازہ کے کنڈے کو پکڑ کر اشعار کی صورت میں مانگی تھی۔ یہ دونوں باتیں نہ صرف پڑھنے، بلکہ یقینی طور پر سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔

تمام قبائل ان کا احترام کرتے تھے اور ان کے قافلوں کو چھیڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ دوسرا احسان یہ تھا کہ اس علاقے کو تجارتی قافلوں کی شاہراہ کا درجہ مل گیا تھا جو جزیرہ نمائے عرب سے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی تھی، اس طرح یہ لوگ باقی عرب سے خوشحال تھے۔ اس سورۃ میں اللہ تبارک و تعالیٰ اس احسان کو یاد کرا رہا ہے کہ اس عظمت والے گھر کی بدولت میں نے تم پر اتنے احسان کیے مگر تم نے احسان فراموشی کرتے ہوئے توحید کے اس عظیم مرکز کو شرک کا اڈا بنا دیا۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اسے شرک سے پاک کر کے دوبارہ توحید کا مرکز بنادو اور صرف اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔ فرمایا:

{لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿ ۱ ﴾ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿ ۲ ﴾ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ﴿ ۳ ﴾ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ٪﴿ ۴ ﴾ }

''قریش کے مانوس کرنے کے سبب، (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ پس چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی بندگی کریں، جس نے ان کو بھوک سے سیری عطا فرمائی (اس کے باوجود کہ جس وادی کے یہ رہنے والے ہیں اس میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی) اور ان کو خوف سے امن دیا (کہ بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے کوئی ان کے تجارتی قافلوں کو نہیں چھیڑتا)۔''

سُورۃُ المَاعُون

اس سورہ کا مضمون سورۃ المطففین کے ابتدائی مضمون کے مشابہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں ان کے عمل کی وجہ سے ان کے ایمان کی نفی کی گئی تھی کہ جو لوگ کم تولتے ہیں انہیں آخرت کا یقین نہیں ہے' جبکہ یہاں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو ان کا کردار مختلف اعتبارات سے پست سے پست تر ہوتا چلا جاتا ہے ۔ فرمایا:

{اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ؕ﴿ ۱ ﴾ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۙ﴿ ۲ ﴾ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ؕ﴿ ۳ ﴾ }

''بھلا تم نے ایسے شخص کو دیکھا جو جزا و سزا کا منکر ہے؟ یہ وہی (بدبخت) ہے جو

یتیم کو دھکے دیتا ہے' اور مسکین کو کھانا کھلانے کی طرف لوگوں کو راغب نہیں کرتا۔''

یعنی نہ تو خود ہی یہ کام کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔

سورۃ کے درمیان میں نماز کے حوالے سے خصوصی طور پر توجہ دلائی گئی ۔ فرمایا: {فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿ ۴ ﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ﴿ ۵ ﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ۙ﴿ ۶ ﴾ وَ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ؕ﴿ ۷ ﴾ } ''پس ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے' جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں' اور ریاکاری کرتے ہیں -----اس غفلت کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نماز پڑھ ہی نہیں رہے۔ دوسرے یہ کہ پڑھ تو رہے ہیں مگر اس کی روح موجود نہیں ہے' بس رسماً اُٹھک بیٹھک ہو رہی ہے' مگر اس میں خشوع و خضوع نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ یہ بھی غفلت کا ایک درجہ ہے' جبکہ غفلت کا ایک درجہ ریاکاری ہے جس کا ذکر آیت ٦ میں تخصیص کے ساتھ کر دیا گیا ہے' اس لیے کہ ریاکاری سے کی گئی کوئی بھی عبادت اور نیکی قابل قبول نہیں۔

آخری آیت میں پھر سے قیامت کے منکرین کی پستی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کے کردار کی پستی اور کم ظرفی کا عالم یہ ہے کہ: {وَ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ؕ﴿ ۷ ﴾ }''اور (ایسے لوگ) عام برتنے کی چیز بھی کسی کو وقتی استعمال کے لیے دینے کو بھی تیار نہیں۔''

سُورۃُ الکَوثَر

سورۃ الکوثر میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص مقام بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:
{اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ٪﴿۳﴾}
''(اے محمد ﷺ !) ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا ہے' پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے 'اور جان لیجیے کہ آپ کا دشمن ہی ہے جس کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔''
اس سورۃ کے حوالے سے دو باتیں جان لیجیے: (۱) ''کوثر'' (خیر کثیر) سے دنیا

اور آخرت کی بے شمار بھلائیاں مراد ہیں۔ اس ضمن میں بہت سے اقوال ہیں جن کو مختلف مفسرین کرام نے تفصیل سے اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے ۔ان میں روزِ حشر کا حوضِ کوثر اور جنت کی نہر کوثر بھی شامل ہیں۔ (۲) ''ابتر''عرب میں اس شخص کو کہا جاتا تھا جس کی نسل ختم ہو جائے ۔چونکہ رسول اللہ ﷺ کی اولادِ نرینہ نہ تھی بلکہ صرف بیٹیاں ہی تھیں' جبکہ نسل بیٹوں سے چلتی ہے' توقریش کے کچھ سرداروں نے حضور ﷺ کو ''ابتر'' ہونے کا طعنہ دیا تھا کہ بس کچھ دن تک آپ کا نام ہو گا اور پھر آپ کا کوئی نام لیوا نہ ہو گا۔ اس طعنہ کے جواب میں حضور ﷺ کو تسلی دینے کے انداز میں کہا گیا کہ کچھ عرصہ میں آپؐ کے تمام دشمنوں کے تو نام ونشان تک مٹ جائیں گے------دراصل یہ ایک پیشین گوئی تھی جو عہدنبویؐ ہی میں پوری ہوئی اور بدر کے مقام پر قریش کے بڑے بڑے ستر(۷۰) سردار مارے گئے----- جبکہ آپ ﷺ کا ذکر وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ کے مصداق تاقیامِ قیامت قائم رہے گا'بلکہ اللہ عزوجل نے آپؐ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ بایں طور منسلک کر لیا ہے کہ جہاں کہیں اللہ کا نام لیا جائے گا وہاں حضرت محمد ﷺ کا نام بھی آئے گا۔ سبحان اللہ !

سُورۃُ الکَافِرُون

اس سورۃ میں کفار سے اعلانِ براءت کیا گیا ہے اور یہ اعلانِ براءت بتا رہا ہے کہ یہ سورۃ مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ''اے کافرو''کہہ کر خطاب ہوا ہے اور یہ داعیانہ انداز نہیں ہے ۔اس اندازِ خطاب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس آخری دور کی بات ہے جب اتمامِ حجت ہو چکا'لیکن کافر

پھر بھی اپنے کفر پر اڑے رہے تو ان سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

{قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَ لِیَ دِیۡنِ ٪﴿۶﴾ }

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم !) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو! میں ہرگز ان (بتوں) کو پوجنے والا نہیں ہوں جن کو تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم پوجنے والے ہو اس (اللہ) کو جس کی پرستش میں کر رہا ہوں۔ اور جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ اور نہ تم اس کی پرستش کرنے والے ہو جس کی میں پرستش کرتا ہوں (اس لیے اب میرے اور تمہارے درمیان قطع تعلق ہے' لہٰذا) میرے لیے میرا دین ہے اور تمہارے لیے تمہارا دین۔''

بعض لوگ لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ کو نرم انداز (جس کو آج کل ''مفاہمتی انداز'' کہا جاتا ہے) سمجھتے ہیں 'جیسے کہا جائے کہ اچھا جی چلو تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین 'یعنی ایک صلح کن انداز۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے 'بلکہ یہ انقطاع کا اعلان ہے کہ اب میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو گیا۔

سُورۃُ النَّصۡر

سورۃ النصر کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے' جبکہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ مکی ہے۔ دراصل یہ سورۃ بلحاظِ نزولِ مقام مکی ہے اور بلحاظِ زمانہ مدنی ہے' یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس کا نزول حجۃ الوداع میں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری (مکمل) سورۃ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ ارشاد ہوا:

{اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَ اسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ٪﴿۳﴾ }

''جب آپہنچی اللہ کی مدد اور فتح (حاصل ہوگئی) اور آپ نے لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیا (یعنی آپؐ کے مشن کی تکمیل ہو گئی)۔ پس آپ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت مانگیں۔ بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ اس سورۃ میں رسول

اللہ ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ اکثر روایات میں آتا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کے بعد حضور ﷺ کثرت سے تسبیح و استغفار فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپؐ اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ الفاظ کہتے تھے: ((سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ)) اس لیے کہ اس سورۃ میں آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے بعد رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت کا اشارہ ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت آپؐ کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں:((اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی))یعنی اب اللہ کی طرف لوٹنا ہے جو بزرگ و برتر رفیق ہے!

سُورۃُ اللَّہَب

یہ ابتدائی مکی دور کی سورۃ ہے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کے پہلے خطبہ کا ذکر ہوا ہے۔ آپؐ نے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے عرب کے رواج کے مطابق جب کوہِ صفا پر چڑھ کر آواز لگائی : وا صَباحا تو قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ پہاڑ کے پاس جمع ہو گئے۔ تب آپؐ نے انہیں دین اسلام اور توحید کی دعوت دی تو اُس وقت ابو لہب نے (نعوذ باللہ) یہ گستاخانہ الفاظ کہے: تَبًّا لَکَ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا ''ہلاکت و بربادی ہو تمہارے لیے' کیا تم نے ہمیں اس کام کے لیے یہاں جمع کیا تھا؟'' اس کے جواب میں اس سورۃ کا نزول ہوا اور اللہ کے غضب کا اظہار ہوا۔ فرمایا:

{تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ ﴿ ۱ ﴾ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ ﴿ ۲ ﴾ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚ﴿۳﴾ وَّ امْرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ۚ﴿ ۴ ﴾ فِیْ جِیْدِہَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ٪ ﴿ ۵ ﴾ }

''ٹوٹ گئے ہاتھ ابو لہب کے اور وہ برباد ہو گیا۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کسی کام نہ آیا۔ عنقریب وہ دہکتی آگ میں ڈال دیا جائے گا' اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی۔ جو ایندھن سر پر رکھے اٹھائے پھرتی ہے۔ اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔''

قرآن مجید کا یہ واحد مقام ہے جہاں دشمنانِ اسلام میں سے کسی شخص کا نام لے کر

اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ابو لہب حضور ﷺ کا حقیقی چچا تھا اور اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ اس کی بیوی کا نام اَرویٰ اور کنیت اُمّ جمیل تھی۔ اسے حضور ﷺ سے بہت بغض و عداوت تھی --- سورۃ التحریم میں میاں بیوی کے نیک اور بد ہونے کے حوالے سے قرآن کریم میں موجود چند ایک مثالیں بیان کی گئی تھیں۔ پہلی مثال بہترین شوہروں کے گھروں میں بدترین بیویوں کی ہے کہ حضرات نوح و لوط علیہما السلام (جو اللہ کے رسول ہیں) کی بیویوں کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ جہنمی ہیں۔ دوسری مثال بدترین شوہر کے عقد میں ایک بہترین و پاکیزہ خاتون کی ہے کہ فرعون (جو اللہ اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا) کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ایک جنتی خاتون ہیں۔ پھر حضرت مریم کی مثال دی گئی جو خود بھی نیک سیرت تھیں اور ان کی تربیت اللہ کے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کی گود میں ہوئی ۔ یہ مثال ہے ''نورٌ علیٰ نور''کی ۔ ان تین صورتوں کے علاوہ ایک چوتھی صورت یہ بھی ہے کہ شوہر بھی بدترین اور بیوی بھی بدترین۔ اس کی مثال زیر مطالعہ سورۃ میں بیان ہوئی ہے کہ ابو لہب اور اُس کی بیوی اُمّ جمیل ‘نبی اکرم ﷺ سے قرابت کے باوجود ‘دونوں آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ یہ مثال ہے ''ظُلُمٰتٌ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ''کی ۔

سُورۃُ الاِخلَاص

سورۃ الاخلاص قرآن حکیم کی عظیم ترین سورۃ ہے جس کو حضور ﷺ نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ دین کی اصل اساسات تین ہیں: (۱) توحید‘ (۲) رسالت‘ اور (۳) آخرت ۔ اور یہ سورۃ ان تین اساسات میں سے ایک یعنی توحید پر کامل ترین سورۃ ہے ۔ ارشاد ہوا:

{ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿ ۱ ﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿ ۲ ﴾ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ﴿ ۳ ﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۢ﴿ ۴ ﴾ }

''کہہ دو وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ (سب سے) بے نیاز ہے (اور سب اس کے محتاج ہیں)۔ نہ اُس نے کچھ جنا اور نہ ہی وہ جنا گیا (یعنی نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے) ۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔''

سُورۃُ الفَلَق

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دو الگ الگ سورتیں ہیں ‘لیکن ان میں مضامین کی اتنی یکسانیت ہے کہ ان کا ایک مشترک نام ’’مُعَوِّذَتَین‘‘ (پناہ مانگنے والی دو سورتیں) ہے۔ یہ دونوں سورتیں بالاتفاق مدنی ہیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ تعوذکی تلقین کی گئی ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ وہ مختلف برائیوں‘ گناہوں اور تکالیف و مصائب پہنچانے والی چیزوں سے اپنے رب کی پناہ میں آنے کی دعا مانگتا رہے۔

سورۃ الفلق میں فرمایا گیا:{قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿ ۱ ﴾}’’کہہ دو میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں‘‘--------

فَلَقَ یَفۡلِقُ کے لغوی معنی پھاڑنے کے ہیں۔ سورۃ الانعام میں فرمایا: {فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ} (آیت ۹۶) ’’وہی ہے صبح کو پھاڑنے والا ‘‘- یعنی اللہ تعالیٰ رات کے اندھیرے سے صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے۔ یہاں بھی فلق سے مراد ’’صبح‘‘ ہے۔

سورۃ الفلق کی پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا بیان ہے جبکہ اگلی چار آیات میں ان اشیاء کا بیان ہے جن سے پناہ مانگی جا رہی ہے ‘فرمایا:

{قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿ ۱ ﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿ ۲ ﴾ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿ ۳ ﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿ ۴ ﴾ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ؕ﴿ ۵ ﴾ }

’’کہو میں صبح کے مالک کی پناہ میں آتا ہوں ‘ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی۔ خصوصاً شب تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے (یہ حقیقت ہے کہ جب رات کی تاریکی کا پردہ تن جاتا ہے تو شر کا بازار زیادہ گرم ہو جاتا ہے) ‘اور گرہوں پر پھونک مارنے والیوں (یعنی جادو ٹونے کرنے والیوں) کے شر سے ‘ اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔‘‘

سُورۃُ النَّاس

سورۃ الناس میں سورۃ الفلق کے برعکس اللہ تبارک و تعالیٰ کی تین صفات بیان کرکے اس کی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے ۔ فرمایا:

{قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿ ۱ ﴾ مَلِکِ النَّاسِ ۙ﴿ ۲ ﴾ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ﴿ ۳ ﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۬ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿ ۴ ﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿ ۵ ﴾ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿ ٦ ﴾ }

''کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پالنے والے' لوگوں کے حقیقی بادشاہ اور لوگوں کے معبودِ برحق کی' (شیطان) وسوسہ انداز کی برائی سے 'جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے' خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ وسوسہ اندازی صرف شیاطین جن و اِنس ہی نہیں کرتے بلکہ خود انسان کا اپنا نفس بھی اندر سے وسوسہ اندازی کرتا ہے اور اس کے اپنے غلط نظریات ا س کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں' اس لیے نفس کی برائی سے بھی پناہ مانگنی چاہیے۔

بکثرت صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات کو سوتے وقت اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں مُعوِّذَتَیْن' یا بعض روایات کے مطابق مُعَوِّذَات (یعنی سورۃ الاخلاص' سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پائوں تک پورے جسم پر' جہاں جہاں بھی ہاتھ پہنچ سکتے' انہیں پھیر لیتے تھے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایّاکم بالآیات والذکر الحکیمoo

دُعَآئُ خَتْمِ الْقُرْآنِ

اَللّٰھُمَّ آنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ، وَاجْعَلْہُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً ، اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْہُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ آنَائَ اللَّیْلِ وَآنَائَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ لِیْ حُجَّۃً یَّارَبَّ الْعَالَمِیْنَoo